بسم اللہ الرحمن الرحیم

جدید ایڈیشن

فوائد مکیہ

حواشی مرضیہ

مع

معرفۃ الرسوم

ناشر

حق اکیڈمی

مبارک پور اعظم گڑھ

نام کتاب:...............فوائد مکیہ حواشی مرضیہ

مؤلف:...............امام الفن استاذ القراء حضرت مولانا قاری المقری

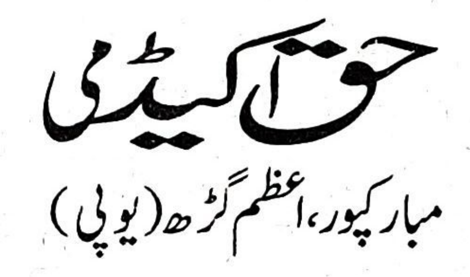
عبدالرحمٰن صاحب مکی رحمۃ اللہ علیہ

کمپوزنگ:...............ریحان کمپیوٹرس (امجدی بک ڈپو گھوسی)

پروف ریڈنگ:.........(مولانا) ریحان المصطفیٰ قادری

تعداد:.....................گیارہ سو (۱۱۰۰)

قیمت:.....................



HAQUE ACADEMY
Mubarakpur Aazamgarh
(U.P) Pin. 276404

Mob: 9336160145, 9889868236

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمۃ الکتاب[1]

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ، سَیِّدِنَا وَنَبِیِّنَا وَشَفِیْعِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَاَزْوَاجِہٖ وَذُرِّیَّاتِہٖ اَجْمَعِیْنَ. اَمَّا بَعْدُ!

تجوید کا حکم: جاننا چاہیے کہ قرآن مجید کو قواعد تجوید سے پڑھنا نہایت ہی ضروری[2] ہے۔

لحن کا حکم: اگر تجوید سے قرآن مجید نہ پڑھا گیا تو پڑھنے والا خطاوار[3] کہلائے گا۔

لحن جلی کی صور اربعہ اور اس کا حکم: پھر اگر ایسی غلطی ہوئی کہ (۱) ایک حرف دوسرے حرف سے بدل گیا (۲) یا کوئی حرف گھٹا بڑھا دیا گیا (۳) یا حرکات میں غلطی کی (۴) یا ساکن کو متحرک یا متحرک کو ساکن کر دیا تو پڑھنے والا گنہگار ہوگا۔

لحن خفی کے اسباب وقوع اور اس کا حکم: اور اگر ایسی غلطی ہوئی جس

---

[1] وہ مضامین ضروریہ جو کتاب کے متعلقات سے ہوں اور بصیرت اور آسانی کے لیے مقصود سے پہلے بیان کیے جائیں، ان کو مقدمۃ الکتاب کہتے ہیں۔ اور یہ مقدمہ عام اور شامل ہے خاص مقدمۃ العلم کو بھی، جس میں علم کی تعریف، موضوع، غایت بیان کی جائے۔ ۱۲۔ احقر ابن ضیاء محب الدین عفی عنہ۔

[2] سب سے پہلے تجوید کا حکم بیان فرمایا۔ چنانچہ علامہ جزری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "وَالْاَخْذُ بِالتَّجْوِیْدِ حَتْمٌ لَازِمٌ"۔ یعنی تجوید کا حاصل کرنا نہایت ضروری ہے، جو بمعنی واجب ہے، کما قال اللہ تعالیٰ: "وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلًا" ۔۱۲۔ ابن ضیا عفی عنہ۔

[3] تجوید کا حکم بیان کرنے کے بعد اس کی وعید بیان فرمائی، جیسا کہ علامہ جزری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "مَنْ لَمْ یُجَوِّدِ الْقُرْاٰنَ اٰثِمٌ" جو شخص قرآن مجید کو تجوید سے نہ پڑھے وہ گنہگار ہے۔ ۱۲۔ ابن ضیا عفی عنہ۔

سے لفظ کا ہر حرف مع حرکت اور سکون کے ثابت رہے، صرف بعض صفات جو تحسین حرف سے تعلق رکھتے ہیں اور غیر ممیّزہ ہیں[1]، یہ اگر ادا نہ ہوں تو تو خوف عقاب اور تہدید کا ہے، پہلی قسم[2] کی غلطیوں کو لحن جلی اور دوسری قسم[3] کی غلطیوں کو لحن خفی کہتے ہیں۔

تجوید کی تعریف: تجوید[4] کے معنی ہر حرف کو اپنے مخرج[5] سے مع جمیع صفات[6] ادا کرنا۔

موضوع: اس کا موضوع[7] حروف تہجی اور **غایت**[8] تصحیح حروف ہے۔

۱؎ اس سے مراد صفات لازمہ غیر ممیّزہ ہیں، مثل غین وخاء کی صفت استعلاء، یا طاء وظاء کی صفت اطباق وغیرہ کے، جیسا کہ عطف تفسیری کے ساتھ خود ہی بیان فرمایا کہ اور غیر ممیّزہ ہیں، باقی صفت عارضہ کی قسم غیر ممیّزہ کسی کتاب میں میری نظر سے نہیں گزری۔ واللہ اعلم بالصواب۔ ۱۲ر احقر ابن ضیا۔

۲؎ یعنی جب کہ وضع کلمہ مہمل ہو جائے یا وضع کلمہ میں فرق ہو جائے چاہے معنی بدلیں یا نہ بدلیں، اس قسم کی صریح اور ظاہر غلطیاں ہیں اس وجہ سے ان کو لحن جلی کہتے ہیں۔ ۱۲

۳؎ یعنی صفات غیر ممیّزہ یا صفت عارضہ نہ ادا ہوں، اس قسم کی غلطیوں کو بوجہ عدم واقفیت غیر مجود نہیں سمجھ سکتے، اس وجہ سے ان کو لحن خفی کہتے ہیں۔ لیکن لحن خفی کو چھوٹی اور خفیف غلطی سمجھ کر اس کی طرف سے لاپرواہی کرنا بڑی غلطی ہے۔ ۱۲ر ابن ضیا۔

۴؎ تجوید ایسے علم کا نام ہے جس کی رعایت سے قرآن شریف موافق نزول کے پڑھا جا سکے، کیوں کہ قرآن مجید تجوید ہی کے ساتھ نازل ہوا ہے، جیسا کہ علامہ جزری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

لِاَنَّہٗ بِہِ الْاِلٰہُ اَنْزَلَ ☆ وَھٰکَذَا مِنْہُ اِلَیْنَا وَصَلَا

پس قرآن مجید کو بلا رعایت تجوید پڑھنا ایک قسم کی تحریف ہے جو جائز نہیں۔ ۱۲ر ابن ضیا عفی عنہ۔

۵؎ جس جگہ سے صحیح حرف نکلتا ہے اس کو مخرج کہتے ہیں۔ ۱۲ر ابن ضیا۔

۶؎ جس جس انداز سے صحیح حرف نکلتا ہے اس کو صفت کہتے ہیں، اور صفات جمع ہے صفت کی، جمع کے ساتھ اس لیے بیان کیا گیا کہ ایک حرف میں کئی کئی صفتیں پائی جاتی ہیں، مثلاً راء میں جہر، توسط، استفال، انفتاح، تکریر، پانچ صفات پائے گئے، جیسا کہ صفات کے بیان اور نقشہ سے معلوم ہوگا۔ ۱۲ر ابن ضیا۔

۷؎ جس کے حالات کسی علم میں بیان کیے جائیں وہ اس علم کا موضوع ہوگا، مثلاً علم تجوید میں حرف کے مخارج اور صفات سے بحث کی جاتی ہے، تو اس وقت حروف تہجی علم تجوید کا موضوع کہا جائے گا۔ ۱۲ر ابن ضیا۔

۸؎ کسی کام کے کرنے پر جو نتیجہ مرتب ہوتا ہے اس کو غایت کہتے ہیں، مثلاً تجوید کے ساتھ پڑھنے سے تصحیح کلام اللہ ہوگی، لہٰذا یہ غایت تجوید کہی جائے گی، اور اگر اس تصحیح سے غرض ثواب ہو تو ان شاء اللہ تعالیٰ ثواب بھی ملے گا۔ ۱۲ر احقر ابن ضیا۔

خوش الحانی کا حکم: اور خوش آوازی سے پڑھنا امر زائد[1] مستحسن ہے، اگر قواعد تجوید کے خلاف نہ ہو، ورنہ مکروہ، اگر لحن خفی لازم آئے۔ اور اگر لحن جلی لازم آئے تو حرام وممنوع ہے۔ پڑھنا اور سننا دونوں[2] کا ایک حکم ہے۔

باب[3] اوّل

فصل[4] اول: استعاذہ[5] اور بسملہ[6] کے بیان میں

محل استعاذہ اور اس کا حکم: قرآن مجید شروع کرنے سے پہلے استعاذہ ضروری[7] ہے۔

---

[1] یعنی خوش آوازی تجوید کے قواعد اور حکم وغیرہ سے خارج ہے، اگر چہ امر مستحسن ہے، جیسا کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "زَیِّنُوا الْقُرْاٰنَ بِاَصْوَاتِکُمْ" یعنی اپنی آوازوں سے قرآن مجید کو زینت دو۔ چوں کہ بہت سے لوگوں نے خوش آوازی کو تجوید کا موقوف علیہ قرار دے رکھا ہے، یہاں تک کہ تجوید حاصل نہیں کرتے کہ ہماری آواز اچھی نہیں، یا جن لوگوں میں فطرتا خوش آوازی نہیں ہے ان کو باوجود صحیح پڑھنے کے مطعون کرتے ہیں، یا بعض لہجہ ہی کے پیچھے پڑے رہتے ہیں، اور تجوید کا خیال نہیں کرتے، اس لیے فرمایا کہ خوش آوازی سے پڑھنا امر زائد مستحسن ہے، وہ بھی اس شرط کے ساتھ جب کہ لحن جلی لازم نہ آئے ورنہ حرام ہے، اور اگر لہجہ کی بدولت لحن خفی لازم آئے تو مکروہ ہے، کما ذکر شیخنا المصنف ١٢۔

[2] یعنی جس طرح لحن جلی کے ساتھ پڑھنا حرام ہے، اسی طرح لحن جلی کا سننا بھی حرام ہے۔ اور جس طرح لحن خفی کے ساتھ پڑھنا مکروہ ہے، اسی طرح اس کا سننا بھی مکروہ ہے۔ بہر حال فعل ناجائز اور قبیح سے بچنا نہایت ضروری ہے۔ ١٢/ ابن ضیا۔

[3] جس میں مختلف قسم کے عام مضامین مذکور ہوں اس کو باب کہتے ہیں۔ ١٢/ ابن ضیا۔

[4] جب ایک بیان کو دوسرے بیان سے جدا کرنا ہوتا ہے تو اس کو فصل کہتے ہیں، اس میں ایک خاص قسم کے مضامین ہوتے ہیں۔ ١٢/ ابن ضیا۔

[5] جن کلمات کے ذریعہ شیطان سے پناہ مانگی جائے اس کو استعاذۃ کہتے ہیں، اس کا نام تعوذ بھی ہے، یعنی اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ پڑھنا۔ ١٢/ ابن ضیا۔

[6] اس کے معنی ہے بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ پڑھنا۔ ١٢/ ابن ضیا۔

[7] چوں کہ ابتدائے قراءت مہتم بالشان ہے، اس وجہ سے لفظ ضروری فرمایا، یہاں ضروری بمعنی واجب نہیں، کیوں کہ ائمہ احناف کے نزدیک استعاذہ مستحب ہے، جیسا کہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "وَالصَّحِیْحُ اَنَّهَا مُسْتَحِبَّةٌ بِقَرِیْنَةِ الشَّرْطِ، فَاِنَّ الْمَشْرُوْطَ غَیْرُ وَاجِبٍ"۔ ١٢/ ابن ضیا۔

الفاظ استعاذہ: اور الفاظ اس کے یہ ہیں: "اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ"
گو اور طرح[1] سے بھی ثابت ہے، مگر بہتر یہ ہے کہ انہیں[2] الفاظ سے استعاذہ کیا جائے۔

بسملہ کا محل وحکم: اور جب سورت شروع کی جائے تو "بِسْمِ اللّٰہِ" کا پڑھنا بھی نہایت ضروری[3] سوائے سورۂ براءۃ[4] کے، اور اوساط اور اجزاء[5] میں اختیار ہے، چاہے "بِسْمِ اللّٰہِ" پڑھے اور چاہے نہ پڑھے۔

---

[1] جیسا کہ طیبہ علامہ جزری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "وَاِنْ تَغَیَّرَ اَوْ تَزِدْ لَفْظًا فَلَا ☆ تَعِدُ الَّذِیْ قَدْ صَحَّ مِمَّا نَقَلَا" یعنی اگر الفاظ استعاذہ متغیر کردیے جائیں یا الفاظ استعاذہ زیادہ کردیے جائیں تو ثبوت نقل سے نہ متجاوز ہوں۔ متغیر کی مثال "اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنْ اِبْلِیْسِ وَجُنُوْدِہٖ" اور زیادتی کی مثال "اَعُوْذُ بِاللّٰہِ السَّمِیْعِ الْعَلِیْمِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ"۔۱۲/ابن ضیا۔

[2] جیسا کہ علامہ دانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "اعلم ان المستعمل عندا لقراء الحذاق من اهل الاداء فی لفظها اعوذ بالله من الشیطان الرجیم دون غیره" یعنی ماہرین قراء کے نزدیک الفاظ استعاذہ "اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ" ہی مختار ہیں۔۱۲/ابن ضیا۔

[3] عن ابن خزیمة ان رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قرأ بسم الله الرحمٰن الرحیم فی اول الفاتحة فی الصلوٰة، وعدها آیة ایضا، فهی اٰیة مستقلة منها فی احدی الحروف السبعة المتفق علی تواترها، وعلیه ثلثة من القراء السبعة ابن کثیر وعاصم والکسائی، فینعقدونها اٰیة منها بل من القراٰن اول کل سورة (من الاتحاف فی القرأة الاربعة عشر)

وقیل اٰیة تامة من کل سورة وهو قول ابن عباس وابن عمر وسعید بن جبیر والزهری وعطاء وعبد الاله بن مبارك وعلیه قراء مکة والکوفة وفقهاؤها، وهو القول الجدید لشافعی (من منار الهدی فی الوقف والابتدا)

والحاصل ان التارکین اخذوا بالحال الاول والمبسملین اخذوا بالاخیر المعول، ولا یخفی قوة دلیل المبسملین، لاسیما مع کتابة البسملة فی اول کل سورة اجماعا من الصحابة (من شرح الشاطبیة لملا علی قاری)

ثم المبسملون بعضهم یعدها اٰیة من کل سورة سوی براء ة، وهم غیر قالون (من کنزالمعانی شرح حوز الامانی)

قال السخاوی تلمیذ للشاطبی واتفق القراء علیها فی اول الفاتحة کابن کثیر وعاصم

والکسائی، یعتقدونها اٰیة منها، ومن کل سورة والصواب ان کلا من القولین حق وانها اٰیة من القراٰن فی بعض القراء ات وهی قراء ة الذین یفصلون بها بین السورتین ولیست اٰیة فی قراء ة من لم یفصل بها (نشر فی القراء ات العشر للامام الجزری)۔۱۲/ منه۔

ترجمہ:۔ ابن خزیمہ سے مروی ہے کہ تحقیق رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پڑھا ہے، بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو الحمد کے شروع میں نماز کے اندر اور اس کو ایک آیت بھی شمار کیا، پس معلوم ہوا کہ یہ ایک مستقل آیت ہے، بعض قراء سبعہ کے نزدیک جن کے تواتر پر اتفاق ہے اور قراء سبعہ میں سے تین قاری ابن کثیر اور عاصم اور کسائی اسی پر ہیں، اور یہ تینوں اس کے الحمد سے ایک آیت ہونے کا اعتقاد رکھتے ہیں، بلکہ قرآن شریف کی ہر سورت کے شروع کی ایک آیت سے مانتے ہیں (اتحاف) اور کہا گیا ہے کہ یہ ایک آیت تامہ ہے، ہر سورت سے، یہ ابن عباس اور ابن عمر اور سعید بن جبیر اور زہری اور عطا اور عبداللہ ابن مبارک کا قول ہے، اور اسی قول پر قراءِ مکہ اور کوفہ اور وہاں کے فقہا ہیں، اور امام شافعی کا قول جدید یہی ہے۔ (منار الہدیٰ فی والوقف والابتدا)

حاصل یہ ہے کہ بسم اللہ نہ پڑھنے والوں نے عمل کیا ہے شروع زمانہ پر، اور پڑھنے والوں نے عمل کیا ہے اخیر زمانہ پر جو معتمد ہے، اور بسم اللہ پڑھنے والوں کی دلیل کی قوت مخفی نہیں، خاص کر جب کہ بسم اللہ ہر سورت کے شروع میں اجماع صحابہ سے لکھی گئی ہے۔ (شرح شاطبیہ لملا علی قاری)

پھر بسم اللہ پڑھنے والے بعض اس کو ہر سورت سے سوائے سورۂ براءۃ کے ایک آیت شمار کرتے ہیں، اور وہ بعض علاوہ قالون کے ہیں۔ (کنز المعانی شرح حرز الامانی)

سخاوی شاگرد امام شاطبی رحمۃ اللہ علیہ علیہ فرماتے ہیں کہ قراء نے اس کے جزءِ فاتحہ ہونے پر اتفاق کیا ہے، مثل ابن کثیر اور عاصم اور کسائی اس کو سورۂ فاتحہ اور ہر سورت سے جزو جانتے ہیں، اور صواب یہ ہے کہ دونوں قول حق ہیں اور وہ آیت قرآن سے ہے بعض قراءت میں، اور وہ قراءت ان لوگوں کی ہے جو درمیان دو سورتوں کے بسم اللہ سے فصل کرتے ہیں، اور جو لوگ اس سے فصل نہیں کرتے ان کی قراءت میں یہ آیت نہیں۔ (نشر)

۴؎ سورہ براءۃ کے شروع میں بالاتفاق ترک بسملہ ہے، چاہے ابتدائے قراءت ہو یا درمیان قراءت ہو، اس لیے کہ بسم اللہ آیت رحمت ہے اور ابتدائے براءۃ آیت غضب ہے، جیسا کہ علامہ شاطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

ومهما تصلها او بدأت براء ة ☆ لتنزیلها بالسیف لست مبسملا

یعنی جب کسی سورت سے وصل کیا جائے سورۂ براءۃ کا یا ابتدا کی جائے سورۂ براءۃ۔۔۔ تو بسبب نازل ہونے براءۃ کے ساتھ قہر کے بسم اللہ نہیں ثابت، پس مناسب نہیں کہ آیت رحمت کو آیت غضب کے ساتھ جمع کیا جائے۔۱۲/ ابن ضیا۔

۵؎ یعنی سورۃ کے درمیان سے شروع کرنے میں بسم اللہ کے باب میں اختیار ہے، اگرچہ سورۂ براءۃ ہو۔۱۲/ ابن ضیا۔

ابتدائے قراءت ابتدائی سورت ودرمیانی سورت: "اَعُوْذُ" اور "بِسْمِ اللّٰہِ" پڑھنے میں چار صورتیں ہیں[۱]: (۱) فصل کل (۲) وصل کل (۳) فصل اول وصل ثانی (۴) وصل اول فصل ثانی۔

درمیان قراءت ابتداءِ سورت: جب ایک کو ختم[۲] کر کے دوسری سورت شروع کریں تو تین صورتیں جائز ہیں اور چوتھی صورت جائز نہیں، یعنی (۱) فصل (۲) اور وصل کل (۳) اور فصل اول وصل ثانی، جائز ہے۔ (۴) اور وصل اول فصل ثانی جائز[۳] نہیں۔

فائدہ: امام عاصم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جن کی روایت حفص رحمۃ اللہ علیہ تمام جہاں[۴] میں پڑھی جاتی ہے، ان کے یہاں بسم اللہ ہر سورت کا جز[۵] ہے، تو اس لحاظ سے

۱ یعنی ابتدائے قراءت ابتدائے سورت سے ہو تو استعاذہ اور بسملہ کے وصل اور فصل کے لحاظ سے چار وجہیں ہیں جیسا کہ کتاب میں مذکور ہیں، لیکن استعاذہ کا بسملہ اور قرآن سے فصل بہتر ہے، جیسا کہ منار الہدیٰ فی الوقف والابتدا میں ہے "اعلم ان الاستعاذة يستحب قطعها من التسمية ومن اول السورة لانها ليست من القرآن" اور اگر سورۂ براءۃ سے قراءت شروع کی جائے تو استعاذہ کا وصل اور فصل دونوں جائز ہے، جیسا کہ اتحاف میں ہے "ويجوز الوقف على التعوذ ووصله بما بعده بسملة كان او غيرها من القرآن انتهى" ۱۲/ابن ضیا۔

۲ یعنی درمیان قراءۃ شروع سورۃ میں تین ہی وجہیں جائز ہیں، جیسا کہ کتاب میں مذکور ہے، اور اگر ابتدائے قراءت درمیان سورت سے ہو تو بسم اللہ پڑھنے کی صورت میں چاروں وجہیں جائز ہیں، لیکن شروع میں شیطان کا نام ہو تو وصل جائز نہیں، مثل "اَلشَّيْطَانُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ" اور اگر بسم اللہ نہ پڑھی جائے تو استعاذہ کا وصل وفصل دونوں جائز ہیں، لیکن شروع میں اللہ پاک کا کوئی نام ہو تو استعاذہ کا وصل نہ کرے، مثل "اَللّٰهُ، هُوَ اللّٰهُ، اَلرَّحْمٰنُ" وغیرہ۔ ۱۲/ابن ضیا۔

۳ کیوں کہ بسم اللہ کو شروع سورۃ سے تعلق ہے اس لیے بسم اللہ کا وصل ختم سورۃ سے اور فصل شروع سورۃ سے جائز نہیں جیسا کہ علامہ شاطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ومهما تصلها مع اواخر سورة ☆ فلا تقفن الدهر فيها فتثقلا

یعنی جب کہ بسم اللہ کا ختم سورۃ سے وصل کیا جائے تو نہ وقف کر اس وقت بسم اللہ پر تا کہ دشواری میں پڑے کیوں کہ بسبب فصل ثانی کے بسم اللہ کا شروع سورۃ میں نہ پڑھنا لازم آئے گا۔ ۱۲/ابن ضیا۔

۴ اس وجہ سے کہ امام اعظم صاحب رحمۃ اللہ علیہ علم قراءۃ میں امام عاصم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد ہیں، لہٰذا موافقت قراءت روایت حفص رحمۃ اللہ علیہ کی پڑھتے ہیں، اور چوں کہ روایت حفص بھی قراءِ سبعہ متواترہ میں سے ایک قراءۃ ہے اور اس کے موافق قرآن شریف میں نقطے اور اعراب وغیرہ لگے ہیں، اس سہولت کی وجہ سے شوافع وغیرہ بھی انھیں کی قراءت پڑھتے ہیں۔ ۱۲/ابن ضیا۔

۵ یعنی روایۃً جزءِ سورت حقیقتاً جزءِ سورت نہیں۔ ۱۲/ابن ضیا۔

جس سورت کو قاری بلا بسم اللہ پڑھے گا تو وہ سورت امام عاصم کے نزدیک ناقص[1] ہوگی، ایسے ہی اگر سارا قرآن پڑھا جائے تو جتنی سورتوں میں بسم اللہ نہیں پڑھی ہے اتنی آیتیں قرآن شریف میں ناقص ہوں گی[2]۔

فائدہ: کلام اجنبی کا حکم: اگر درمیان قراءت کے کوئی کلام اجنبی[3] ہوگیا گوکہ سلام کا جواب ہی کسی کو دیا ہو تو پھر استعاذہ کو دہرانا چاہیے۔

فائدہ: کیفیت استعاذہ: قراءت جہریہ میں استعاذہ جہر[4] کے ساتھ ہونا چاہیے، اور اگر آہستہ سے یا دل میں استعاذہ کرلیا جائے تو بھی کوئی حرج نہیں ہے، بعض کا قول ایسا ہی ہے۔

۱؎ مگر یہ امر ظاہر ہے کہ بسم اللہ کا جز ہر سورت ہونا امر قطعی نہیں، کیوں کہ مجتہدین وفقہا کا اختلاف ہے، احناف جزو قرآن کے قائل ہیں اور شوافع جزو ہر سورت کے قائل، ایسے ہی ابن کثیر، عاصم، کسائی کی طرف نسبت اعتقاد جزو ہر سورت کا ہونا امر ظنی ہے قطعی نہیں، کیوں کہ کتب تفسیر اور قراءت کی کتابوں میں جن کے مؤلف شافعی المذہب ہیں ان کا قول ہے کہ یہ قراء جزو ہر سورت کے قائل ہیں، اور ان قراءت سے روایت اعتقاد جزئیت ہر سورت کی نظر سے نہیں گزری، البتہ بسم اللہ کی روایت ان قراء سے قطعی ہے اور اعتقاد جزئیت یہ مسئلہ فقہی ہے، علم قراءۃ سے اس کو تعلق نہیں۔ ۱۲/ابن ضیا۔

۲؎ کتب قراءت میں جو مسائل بیان کیے جاتے ہیں وہ تلاوت سے متعلق ہیں، لہٰذا تلاوت میں روایت حفص کی پابندی ضروری ہے، اور تراویح وغیرہ کے مسائل فقہ سے متعلق ہیں، لہٰذا حنفیوں کو تراویح وغیرہ کے بارے میں امام اعظم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تقلید واجب ہے، چوں کہ احناف کے نزدیک آیت "اِنَّهٗ مِنْ سُلَيْمٰنَ وَاِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ" کے علاوہ بسم اللہ ہر سورت کے شروع کا جز نہیں ہے، صرف قرآن کا جز ہے، لہٰذا قرآن بھر میں ایک جگہ کہیں بھی تراویح میں پڑھ لینے سے قرآن مجید پورا ہو جائے گا، اس وقت روایت حفص کے موافق تکمیل قرآن کے مکلف نہیں ہیں، پس عدم تقلید اور تخلیط قراءت دونوں سے بچنا ضروری ہے۔ ۱۲/ابن ضیا عفی عنہ۔

۳؎ یعنی متعلقات قرآن سے کوئی بات نہ ہوئی ہو، اس لیے کہ غیر متعلقات قرآن منافی قراءت ہے، پس اگر بلا وجہ قراءت میں سکوت بھی پایا گیا تو استعاذہ پھر کرنا چاہیے، کیوں کہ اعراض میں عن القراءت لازم آئے گا، اگرچہ ارادہ پھر پڑھنے کا ہو، ہاں اگر افہام اور تفہیم معنی کی غرض سے سکوت ہو تو استعاذہ دہرانے کی ضرورت نہیں، پڑھتے پڑھتے وقت سے زیادہ رک جانے کو سکوت کہیں گے۔ ۱۲/ابن ضیا۔

۴؎ بعض حضرات اس کو شرط وجودی اور شرط عدمی کے ساتھ مقید کرتے ہیں، شرط وجودی یہ کہ قراءت بالجہر ہو یا سامع ہو۔ اور عدمی یہ کہ نماز میں نہ ہو یا قرآن کا دور نہ کرتا ہو۔ اسی طرح سے حضرت نے فوائد مکیہ پڑھاتے وقت مجھ سے بیان فرمایا تھا، پھر بعد میں شرح شاطبی ملا علی قاری میں یہی تقریر میں نے دیکھی ہے۔ ۱۲/ابن ضیا۔

دوسری فصل: مخارج کے بیان میں

مخارج حروف کے چودہ ہیں:

پہلا مخرج: اقصی حلق، اس سے [ا[1]، ء، ہ] نکلتے ہیں۔

دوسرا مخرج: وسط حلق، اس سے [ع، ح] نکلتے ہیں۔

تیسرا مخرج: ادنیٰ حلق، اس سے [غ، خ] نکلتے ہیں۔

چوتھا مخرج: اقصی لسان اور اوپر کا تالو، اس سے [ق] نکلتا ہے۔

پانچواں مخرج: قاف کے مخرج سے ذرا منھ کی طرف ہٹ کر، اس سے [ک] نکلتا ہے، ان دونوں حرفوں کو یعنی [ق] اور [ک] کو حروف لہویہ کہتے ہیں۔

چھٹا مخرج: وسط لسان، اس سے [ج، ش، ی] نکلتے ہیں۔

ساتواں مخرج: حافۂ لسان اور ڈاڑھوں کی جڑ، اس سے [ض] نکلتا ہے۔

آٹھواں مخرج: طرف لسان اور دانتوں کی جڑ، اس سے [ل، ن، ر] نکلتے ہیں۔

نواں مخرج: نوک زبان اور ثنایا علیا کی جڑ، اس سے [ط، د، ت] نکلتے ہیں۔

دسواں مخرج: نوک زبان اور ثنایا علیا کا کنارہ، اس سے [ظ، ذ، ث] نکلتے ہیں۔

گیارھواں مخرج: نوک زبان اور ثنایا سفلی کا کنارہ مع اتصال ثنایا علیا کے، اس سے [ص، ز، س] نکلتے ہیں۔

بارھواں مخرج: نیچے کا لب اور ثنایا علیا کا کنارہ، اس سے [ف] نکلتا ہے۔

تیرھواں مخرج: دونوں لب، اس سے [ب، م، و] نکلتے ہیں۔

---

[1] فراء کے مذہب کی بنا پر الف اور ہمزہ کا مخرج ایک ہے، اس وجہ سے الف کو بھی ہمزہ کے ساتھ بیان فرمایا، چوں کہ الف مخرج مقدر جوف حلق سے نکلتا ہے، اس وجہ سے اس کو حلقیہ نہیں کہتے، بلکہ جوفیہ اور ہوائیہ کہتے ہیں، حروف حلقیہ ان حرفوں کو کہتے ہیں جو بالاتفاق حلق کے مخرج محقق سے ادا ہوتے ہیں۔ ۱۲/ ابن ضیا۔

چودھواں مخرج: خیشوم، اس سے غنہ نکلتا ہے، مراد اس سے نون مخفی[۱] و مدغم با دغام ناقص ہے۔

فائدہ: یہ مذہب فراء وغیرہ کا ہے، اور سیبویہ کے نزدیک سولہ مخارج ہیں، انھوں نے ''ل''. کا مخرج حافۂ لسان، اس کے بعد ''ن'' کا مخرج کہا ہے، اس کے بعد ''ر'' کا مخرج ہے، اور خلیل کے نزدیک سترہ ہیں، انھوں نے ''ل، ن، ر'' کا مخرج جدا جدا رکھا ہے، اور حرف علت[۲] جب مدہ[۳] ہوں ان کا مخرج جوف[۴] کہا ہے۔

---

۱ مخفی بضم المیم و فتح الفاء صحیح ہے، یعنی وہ غنہ جو اخفا اور ادغام ناقص کی حالت میں بقدر ایک الف نکلتا ہے اس کو حرف فرعی کہتے ہیں۔ اس کو صفت عارض سمجھنا غلطی ہے۔ ۱۲/ ابن ضیا عفی عنہ۔

۲ یعنی واؤ اور یاء، کیوں کہ الف ہمیشہ مدہ ہی ہوتا ہے۔ ۱۲/ ابن ضیا۔

۳ یعنی واؤ ساکن سے پہلے پیش اور یاء ساکن سے پہلے زیر ہو، باقی الف ہمیشہ ساکن ماقبل ہمیشہ زبر ہوتا ہے، لیکن جب ہمزہ بشکل الف ساکن ماقبل زبر ہوگا تو اس الف پر جزم ضرور ہوگا، اور جھٹکا سے پڑھا جائے گا۔ جیسے "شَأْنٌ" الف اور ہمزہ میں یہی فرق ہے۔ ۱۲/ ابن ضیا۔

۴ یعنی واؤ مدہ اپنے ہی مخرج کے جوف سے اور یاء مدہ اپنے ہی مخرج کے جوف سے اس طرح ادا ہوتے ہیں کہ مخرج کا تحقق نہیں ہوتا بلکہ مثل الف کے واؤ یاء مدہ بھی ہوا پر تمام ہو جاتے ہیں، جیسا کہ علامہ جزری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:
"فالف الجوف واختارها وهی ☆ حروف مد للهواء تنتهی" ۔ ۱۲/ ابن ضیا۔

فائدہ: یہ اختلاف ۱۴/ ۱۶/ ۱۷/ کا حقیقی اختلاف نہیں ہے، فراء نے ل، ن، ر، میں قرب کا لحاظ کر کے ایک کہہ دیا، سیبویہ اور خلیل نے قرب کا لحاظ نہ کر کے الگ مخرج ہر ایک کا بیان کیا، جیسا کہ محققین کا قول ہے کہ ہر حرف کا مخرج علیٰحدہ ہے، مگر نہایت قرب کی وجہ سے ایک شمار کیا جاتا ہے، علیٰ ہٰذا القیاس حروف مدہ کا مخرج خلیل نے جوف کہا ہے، فراء اور سیبویہ نے مدہ وغیر مدہ کا ایک ہی مخرج کہا ہے، مخرج جوف زائد نہیں کیا، اس میں تحقیق یہ ہے کہ الف بالکل ہوائی حرف ہے، اس میں اعتماد صوت کا کسی جزءِ معین پر نہیں ہوتا، اسی واسطے فراء و سیبویہ نے مبدءِ مخارج یعنی اقصاءِ حلق اس کا مخرج کہا ہے، اور حرف (و) و (یا) جب مدہ ہوں تو اس وقت اعتماد صوت کا لسان و شفتین پر نہایت ضعیف ہوتا ہے مگر ہوتا ضرور ہے، لہٰذا فراء، سیبویہ نے اس اعتماد ضعیف کی وجہ سے مدہ وغیر مدہ کے مخرج میں فرق نہیں کیا، خلیل نے ضعف و قوت کا لحاظ کر کے ایک مخرج جوف زائد بیان کیا ہے۔

فائدہ: غنہ صوت خیشومی کا نام ہے، اور یہ سب حرفوں میں ممکن الاداء ہے، مگر (ن، م) میں یہ صفت لازمہ کے طور

سے ہے، اور جب دونوں حرف مشدد یا مخفی یا مدغم بالغنہ ہوں تو اس وقت یہ صفت علیٰ وجہ الکمال پائی جاتی ہے، اور ان حالتوں میں خیشوم کو ایسا دخل ہے کہ بغیر اس صفت کے (ن،م) بالکل ادا ہی نہ ہوں گے، یا نہایت ناقص ادا ہوں گے، لہٰذا افراء نے لکھا ہے کہ (ن،م) کا مخرج ان حالتوں میں خیشوم ہے، اب کئی اعتراض ہوتے ہیں۔

اول یہ کہ سب صفت لازمہ میں یہ بات پائی جاتی ہے کہ بغیر ان کے حرف ادا نہیں ہوتا تو سب کا مخرج بیان کرنا چاہیے اور مخرج بدلنا چاہیے یا دو مخرج لکھنا چاہیے؟ جواب یہ ہے کہ چوں کہ صفت غنہ کا مخرج سب مخارج سے علیحدہ ہے اس واسطے بیان کرنے کی حاجت ہوئی، بخلاف اور صفات کے انھیں مخراج سے تعلق رکھتے ہیں جہاں سے حروف نکلتے ہیں۔

دوسرا شبہ یہ ہوتا ہے (ن) مشدد اور مدغم بالغنہ اور (م) مطلقاً خواہ مشدد ہو یا مخفی ان صورتوں میں اصلی مخرج سے نکلنے میں تبدیلی مخارج تو نہیں معلوم ہوتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ مخرج اصلی کو بھی دخل اور خیشوم کو بھی تا کہ علی وجہ الکمال ادا ہوں۔

تیسرا شبہ یہ ہے کہ نون مخفی کو بعض قراءِ زمانہ لکھتے ہیں کہ اس میں لسان کو ذرہ بھر دخل نہیں ہے اور کتب تجوید کی بعض عبارات سے ان کی تائید ہوتی ہے مگر جب غور وغوض کیا جائے اور سب کے اقوال مختلفہ پر نظر کی جائے تو یہ امر واضح ہوجاتا ہے کہ (ن) مخفی میں لسان کو بھی دخل ہے مگر ضعیف، اسی وجہ سے کالعدم سمجھا گیا، جیسا کہ حروف مدہ میں اعتماد ضعیف سے قطع نظر کر کے خلیل وغیرہ نے ان کا مخرج جوف بیان کیا ہے، ایسا ہی نون مخفی کا حال ہے، اس کی تعریف یہ کی جاتی ہے "حَرْفٌ خَفِيٌّ يَخْرُجُ مِنَ الْخَيْشُوْمِ لَا عَمَلَ لِلِّسَانِ فِيْهِ" اب "لَا عَمَلَ لِلِّسَانِ" کو دیکھ کر خیال پیدا ہوتا ہے کہ لسان کو ذرہ بھر دخل نہیں کیوں کہ نکرہ منفی عموم کا فائدہ دیتا ہے، اگر یہ صحیح مانا جائے تو حرف کا اطلاق صحیح نہیں، اس واسطے کہ حرف کی تعریف ملا علی قاری وغیرہ نے لکھی ہے کہ "صَوْتٌ يَعْتَمِدُ عَلَى مَقْطَعٍ مُحَقَّقٍ أَوْ مُقَدَّرٍ" مقطع محقق کو اجزاء حلق لسان شفت بیان کیا اور مقطع مقدر جوف کو بیان کیا، لہٰذا "لَا عَمَلَ لِلِّسَانِ" میں عمل خاص کی نفی ہے، جیسا کہ آگے کی عبارت سے معلوم ہوجائے گا۔

ثانیا: ملا علی قاری کی عبارت سے بھی عمل لسان ثابت ہے، وہ لکھتے ہیں "وَإِنَّ النُّوْنَ الْمُخْفَاةَ مُرَكَّبَةٌ مِنْ مَخْرَجِ الذَّاتِ وَمِنْ تَحَقُّقِ الصِّفَتِ فِيْ تَحْصِيْلِ الْكَمَالَاتِ" تحقق الصفۃ کے معنی وجود غنہ اور اس کا مخرج خیشوم ہے، فثبت ما قلنا۔

ثالثا: امام جزری نشر فی القراءات العشر میں لکھتے ہیں "المخرج السابع عشر الخيشوم وهو الغنة وهى تكون فى النون والميم الساكنين حالة الاخفاء او ما فى حكمه من الادغام بالغنة فان مخرج هذين الحرفين يتحول فى هذه الحالة عن مخرجها الاصلى على القول الصحيح كما يتحول محرج حروف المد من مخرجها الى الجوف على الصواب" پھر آگے

احکام النون الساکنۃ والتنوین میں لکھتے ہیں "الاول مخرج النون والتنوين مع الحروف الاخفاء الخمسة عشر من الخيشوم فقط ولاحظ لهما معهن فى الفم لانه لا عمل للسان فيهما كعمله فيهما مع ما يظهر ان ويدغمان بغنة" اس سے معلوم ہوا کہ نفی قید کی ہے مطلق عمل کی نہیں، یعنی اظہار اور ادغام مع الغنہ میں جو عمل ہے یہ نون مخفی میں نہیں۔ اب اگر تحول کے معنی انتقال اور تبدل کے مراد ہوں تو "لاعمل كعمله مع ما يدغمان بغنة" اس کے معارض ہوگا، لہٰذا مراد تحول سے توجہ و میلان ہے، اس طرح پر کہ محول عنہ و محول الیہ دونوں کو دخل ہے مگر نون خفیفہ میں بہ نسبت نون مشدد کے لسان کو بہت کم دخل ہے، بخلاف نون مشدد و مدغم بالغنہ و میم مشدد و مخفاۃ کے کہ ان میں لسان و شفت کو زیادہ دخل و عمل ہے۔ ایک بات اور یہاں سے ظاہر ہوتی ہے کہ نون مخفی میں لسان کو ایسا عمل بھی نہ ہو جیسا کہ نون میم مشدد میں ہوتا ہے، اور نہ مابعد کے حرف کے مخرج پر اعتماد ہو، جیسا کہ (و، ی، ل، ر) میں بحالت ادغام بالغنہ اعتماد ہوتا ہے، کیوں کہ ان حرفوں میں ادغام بالغنہ کی صورت یہ ہے کہ نون کو مابعد کے حرف سے بدل کر اول حرف کو اس مخرج سے مع صوت خیشومی کے ادا کریں اسی وجہ سے اس نون کو (و، ی، ل، ر) میں مدغم بالغنہ ہوتا ہے، اس کو حرف کے ساتھ کسی نے تعبیر نہیں کیا، کیوں کہ یہاں ذاتِ نون بالکل منعدم ہوگئی ہے، اور نہ اصلی مخرج سے کچھ تعلق رہا ہے صرف غنہ باقی ہے، جس کا محل خیشوم ہے، بخلاف نون مخفی کے کہ اس کی تعریف یہ کی جاتی ہے "حرف خفى يخرج من الخيشوم ولا عمل للسان فيه ولا شائبة حرف أخر فيه" اب امام جزری کا قول بھی ثابت ہوگیا کہ نون مخفی میں لسان کو بھی کچھ دخل ہے۔

نهاية القول المفيد میں نشر سے زیادہ صاف مطلب نکلتا ہے، پہلے لکھا ہے کہ خیشوم مخرج ہے، نون، میم، وغیرہ کا، پھر لکھتے ہیں کہ "لايقال لا بد من عمل للسان فى النون والشفتين فى الميم مطلقا حتى فى حالة الاخفاء والادغام بغنة، وكذا للخيشوم عمل حتى فى حالة الاظهار. والتحريك فلم هذا التخصيص لانهم نظر والا لغلب فحكموا له بانه المخرَج. فلما كان الاغلب فى حالة اخفائهما وادغامهما بغنة عمل الخيشوم جعلوه مخرجهما حينئذ وان عمل اللسان والشفتان ايضا ولما كان اغلب فى حالة التحريك والاظهار عمل اللسان والشفتين جعلوهما المخرج وان عمل الخيشوم حينئذ ايضا. الخ"۔

رابعاً: غنہ اور اخفاء سے غرض تحسین لفظ اور جو ثقل ترکیب حرف سے پیدا ہو اس کی تخفیف مقصود ہوتی ہے، اور ایسے اخفاء سے کہ جس میں لسان کو ذرہ بھر تعلق نہ ہو محال نہیں تو متعسر ضرور ہے، اور صوت بھی کریہہ ہو جاتی ہے، اگر کچھ بنا کر تکلف سے ادا کیا جائے، حاصل یہ ہے کہ نون مخفاۃ کے ادا کرتے وقت حنک سے قریب متصل ہوگی مگر اتصال نہایت ضعیف ہوگا۔ ۱۲ رمنہ۔

تیسری فصل: صفات کے بیان میں

جهر: جہر کے معنی شدت[1] اور زور سے پڑھنے کے ہیں، اس کی ضد

همس: ہمس ہے، یعنی نرمی[2] کے ساتھ پڑھنا اور اس کے دس حروف ہیں، جن کا مجموعہ "فَحَثَّهٗ شَخْصٌ سَکَتْ" ہے، ان حروف کے ماسوا سب مجہورہ ہیں۔

شدت: شدیدہ کے آٹھ حروف ہیں، جن کا مجموعہ "اَجِدُ قَطٍّ بَکَتْ" ہے، ان کے سکون[3] کے وقت آواز رک جاتی ہے۔

توسط: پانچ حروف متوسطہ ہیں، جن کا مجموعہ "لِنْ عُمَرَ" ہے، ان میں بالکل آواز بند نہیں ہوتی۔

رخاوت: باقی حروف ماسوا شدیدہ اور متوسطہ کے سب رخوہ ہیں، یعنی ان کی آواز جاری ہوسکتی ہے۔

---

[1] اس شدت سے مراد بلندی اور شدت نفس ہے، یعنی جہر کے ادا کرتے وقت مخرج میں سانس اتنی قوت سے ٹھہرتی ہے کہ آواز بلند ہو جاتی ہے، اور صفت شدت میں شدت صوت ہوتا ہے، یعنی اس کے ادا میں آواز مخرج میں اتنی قوت سے ٹھہرتی ہے کہ فوراً بند ہو جاتی ہے۔ جیسے "حرج" کی جیم۔ ۱۲/ ابن ضیا۔

[2] یعنی ہمس کے ادا کرتے وقت جریان نفس کی وجہ سے آواز میں جو پستی ہے اسی کو نرمی سے تعبیر کیا ہے، کیوں کہ جہر میں بلندی ہوتی ہے، پس اس کی ضد میں پستی ہوگی، جیسے "صف" کی فاء، چناچہ کاف تاء میں نرمی نہیں ہے، بلکہ بوجہ شدت سختی ہے، اور شدت کی ضد رخو کے ادا میں نرمی ہے، اور جریان صوت کی وجہ سے ضعف ہے، اس سے ہمس اور رخو کا فرق بھی ظاہر ہو گیا۔ ۱۲/ ابن ضیا۔

[3] چوں کہ متحرک کی صورت میں بوجہ حرکت آواز کا رکنا معلوم نہیں ہوتا، اس لیے سکون کی قید لگائی، ورنہ صفات لازمہ کے لیے کسی قید کی ضرورت نہیں تھی، حروف چاہے متحرک ہوں یا ساکن، جو صفات لازمہ ہیں وہ ہر حال میں پائی جائیں گے۔ سکون کی قید سے اس کا عارضی سمجھنا غلطی ہے، حروف شدیدہ جب متحرک ہوتے ہیں تو جس قدر آواز جاری ہوتی ہے، وہ حرکت کی ہوتی ہے۔ ۱۲/ ابن ضیا عفی عنہ۔

استعلا: ”خُصَّ ضَغْطٍ قِظْ“ یہ حروف متصف ہیں ساتھ استعلا کے، یعنی ان کے ادا کرتے وقت اکثر حصہ[1] زبان کا تالو کی طرف بلند ہو جاتا ہے۔

استفال: ان کے ماسوا سب حروف استفال کے ساتھ متصف ہیں، ان کے ادا کرتے وقت اکثر حصہ زبان کا بلند نہ ہوگا۔

اطباق: ”ص، ط، ظ، ض“ یہ حروف متصف ہیں ساتھ اطباق کے، یعنی ان کے ادا کرتے وقت اکثر حصہ زبان کا تالو سے مل جاتا ہے۔

انفتاح: ان چار حرفوں کے سوا باقی حروف انفتاح[2] سے متصف ہیں، یعنی ان کے ادا کرتے وقت اکثر زبان تالو سے ملتی نہیں۔ یہ صفات جو ذکر کیے گئے متضادہ ہیں، جہر کی ضد ہمس ہے، اور رخو کی ضد شدت ہے، اور استعلا کی ضد استفال ہے، اور اطباق کی ضد انفتاح ہے۔ تو ہر حرف چار صفتوں کے ساتھ ضرور متصف ہوگا، باقی صفات کی ضد نہیں ہے۔

قلقلہ: قلقلہ کے پانچ حرف ہیں، جن کا مجموعہ ”قُطْبُ جَدٍ“ ہے، مگر قاف میں قلقلہ واجب[3]، باقی چار حرف میں جائز[4] ہے، قلقلہ کے معنی مخرج میں جنبش

---

[1] اس سے مراد جڑ زبان ہے، چنانچہ اس کے بعد کا حصہ تالو سے جدا رہتا ہے، جیسے "خالق" کی خاء، بخلاف صفت اطباق کے کہ اس کے ادا کرتے وقت اکثر حصہ زبان کا تالو سے مل جاتا ہے، جیسے "طال" کی طاء، اس وجہ سے تفخیم استعلاء سے تفخیم اطباق بڑھی ہوئی ہے۔ ۱۲/ابن ضیا۔

[2] انفتاح اور استفال کے ادا میں یہ فرق ہے کہ استفال تفخیم کو مانع ہے، اور انفتاح کمال تفخیم کو مانع ہے، پس ہر مستفلہ منفتحہ ہے، لیکن ہر منفتحہ مستفلہ نہیں ہے، جیسے ”غین، خاء، قاف“۔ ۱۲/ابن ضیا۔

[3] یعنی قاف میں قلقلہ بالاتفاق قوی ہے، اسی لیے یہ بہ نسبت حرف طب جد کے قاف میں بوجہ استعلاء و قوت شدت کے بہت زیادہ ظاہر ہے۔ ۱۲/ابن ضیا۔

[4] جائز بمعنی اختیار نہیں بلکہ بمعنی ضعیف ہے، کیوں کہ بہ نسبت قاف کے حروف طب جد میں قلقلہ کم ہے، جیسا کہ صاحب الرعایہ کی عبارت سے ظاہر ہے، فرماتے ہیں "قلقلة القاف اکمل من قلقلة غیره لشدة ضغطه" پس اس کمی اور ضعف کی طرف کسی نے توجہ کی، اور حروف طب جد میں قلقلہ کا اعتبار کیا، اور کسی نے اس ضعف کی طرف توجہ نہ کی اس وجہ سے قلقلہ کا اعتبار نہ کیا، لیکن حروف طب جد میں قلقلہ کی نفی کسی قول سے ثابت نہیں، لہٰذا جائز کی وجہ سے اس کو عارض سمجھنا یا کبھی ادا کرنا کبھی نہ ادا کرنا جائز نہیں، ہاں اگر سماعت میں اختلاف ہوگا تو اسی ضعف پر محمول کیا جائے گا۔ ۱۲/ابن ضیا۔

دینا سختی کے ساتھ۔

تکرار: ”ر“ میں صفت تکرار کی ہے، مگر اس سے جہاں تک ممکن ہو احتراز[1] کرنا چاہیے۔

تفشی: ”ش“ میں صفت تفشی ہے، یعنی منہ میں صوت پھیلتی ہے۔

استطالہ: ”ض“ میں صفت استطالہ[2] ہے۔

صفیر: اور ”ص، ز، س“ حروف صفیرہ کہلاتے ہیں۔

غنہ: ”ن، م“ میں ایک صفت یہ بھی ہے کہ ناک میں آواز[3] جاتی ہے۔ اور کسی حرف میں یہ صفت نہیں ہے۔

صفات قویہ وضعیفہ: اور ان صفات متضادہ سے چار صفتیں یعنی جہر، شدت، استعلا، اطباق قویہ ہیں، باقی ضعیف ہیں۔ اور صفات غیر متضادہ سب قویہ ہیں، تو ہر حرف میں جتنی صفتیں قوت کی ہوں گی، اتنا ہی حرف قوی ہوگا۔ اور جتنی صفتیں ضعف کی ہوں گی اتنا ہی ضعیف ہوگا۔

---

[1] یعنی بجائے ایک راء کے کئی راء نہ ہونے پائے، اس کو ادا کرتے وقت زبان کو لرزنے سے بچانا چاہیے، اور اس کی آسان ترکیب یہ ہے کہ اس کی صفت توسط کو صحیح طور پر ادا کیا جائے، یعنی راء ادا کرتے وقت نہ اتنی سختی ہو کہ بجائے ایک راء کے کئی راء ہو جائیں، اور نہ اتنی نرمی ہو کہ بجائے راء کے واؤ ہو جائے، نہایت میانہ روی سے راء کو ادا کریں، تا کہ صفت توسط اور تکریر بھی ادا ہو جائے۔ ۱۲/ ابن ضیا۔

[2] یعنی ضاد کے ادا کرتے وقت آواز مخرج میں دراز ہوگی اسی کا نام صفت استطالہ ہے، اس کے صحت کا معیار یہ ہے کہ اگر دال کی آواز معلوم ہو تو سمجھنا چاہیے کہ صفت استطالت نہیں ادا ہوئی، کیوں کہ دال میں بوجہ شدت حبس صوت ہے جو مانع استطالت ہے، ہاں اگر ظاء کی طرح آواز معلوم ہو تو اس وقت اس صفت کا ادا ہونا ممکن ہے جب کہ نوک زبان ظاء کی مخرج سے بالکل جدا رہے، حرف ضاد کو ظاء کے ساتھ مشابہت تامہ ہے، چنانچہ صاحب الرعایہ فرماتے ہیں: ”وَلَمْ يَخْتَلِفَا فِي السَّمْعِ“ لیکن یہ دلیل تشابہ کی ہے، اس میں عینیت نہ ہونا چاہیے ورنہ لحن جلی لازم آئے گا۔ ۱۲/ ابن ضیا۔

[3] جس کو صفت غنہ کہتے ہیں، یہ غنہ اظہار کی حالت میں بھی پایا جائے گا، بخلاف حرف غنہ کے کہ یہ صرف اخفاء اور ادغام ناقص میں بقدر ایک الف ادا ہوگا۔ کما تقدم فی فی المخرج ۔ ۱۲/ ابن ضیا۔

باعتبار قوت و ضعف حرفوں کی تقسیم

حروف کی باعتبار قوت اور ضعف پانچ قسمیں ہیں:

حروف قویہ: [ج، د، ص، غ، ر، ب] قوی ہیں۔

حروف اقویٰ: [ط، ض، ظ، ق] اقویٰ ہیں۔

حروف متوسطہ: اور [ء، ا، ز، ت، خ، ذ، ع، ک] متوسط ہیں۔

حروف ضعیفہ: اور [س، ش، ل، و، ی] ضعیف ہیں۔

حروف اضعف: اور [ث، ح، ن، م، ف، ہ] اضعف ہیں۔

فائدہ: ہمزہ میں شدت اور جہر کی وجہ سے کسی قدر سختی ہے، مگر نہ اس قدر کہ ناف ہل جائے، ناف سے حروف کو کچھ علاقہ ہی نہیں۔

فائدہ: "ف، ہ" یہ دونوں حرف اضعف الحروف ہیں، نہایت ہی نرمی سے ادا ہونا چاہیے۔

فائدہ: حرف "ع، ح" کے ادا کرتے وقت گلا نہ گھونٹا جائے بلکہ وسط حلق سے نہایت لطافت سے بلا تکلف نکالنا چاہیے۔

....

چوتھی فصل: ہر حرف کی صفات لازمہ کے بیان میں

نمبر شمار	اشکال حروف	اسمائے صفات لازمہ
۱	ا	مجہور، رخو، مستفل، منفتح، مدہ، مفخم[1] یا مرقق
۲	ب	مجہو، شدید، مستفل، منفتح، قلقلہ

[1] اگرچہ تفخیم اور ترقیق صفت عارض ہے، لیکن ان میں سے حرف کے لیے کوئی نہ کوئی اصل اور لازم ضرور ہے، اسی وجہ سے حرف تردید کے ساتھ بیان فرمایا، پس چوں کہ بعض کے نزدیک تفخیم عارض ہے تو ترقیق اصل ہے، اور بعض کے نزدیک ترقیق عارض ہے تو تفخیم اصل ہے، اور اصل بمنزلہ لازم ہے، اس لیے تفخیم ترقیق کو صفات لازمہ کے نقشہ میں بیان فرمایا تاکہ دونوں قول کا علم ہو جائے۔ ۱۲ ار ابن ضیا عفی عنہ۔

۳	ت	مہموس، شدید، مستفل، منفتح
۴	ث	مہموس، رخو، مستفل، منفتح
۵	ج	مجہور، شدید، مستفل، منفتح، قلقلہ
۶	ح	مہموس، رخو، مستفل، منفتح
۷	خ	مہموس، رخو، مستعلیہ، منفتح، مفخم
۸	د	مجہور، شدید، مستفل، منفتح، مقلقل
۹	ذ	مجہور، رخو، مستفل، منفتح
۱۰	ر	مجہور، متوسط، مستفل، منفتح، تکرار، مفخم یا مرقق
۱۱	ز	مجہو، رخو، مستفل، منفتح، صفیر
۱۲	س	مہموس، رخو، مستفل، منفتح، صفیر
۱۳	ش	مہموس، رخو، مستفل، منفتح، تفشی
۱۴	ص	مہموس، رخو، مستعلیہ، مطبق، صفیر
۱۵	ض	مجہور، رخو، مستعلیہ، مطبق، مستطیل، مفخم
۱۶	ط	مجہور، شدید، مستعلیہ، مطبق، مفخم، مقلقل
۱۷	ظ	مجہور، رخو، مستعلیہ، مطبق، مفخم
۱۸	ع	مجہور، متوسط، مستفل، منفتح
۱۹	غ	مجہور، رخو، مستعلیہ، منفتح
۲۰	ف	مہموس، رخو، مستفل، منفتح
۲۱	ق	مجہور، شدید، مستعلیہ، منفتح، قلقلہ، مفخم
۲۲	ک	مہموس، شدید، مستفل، منفتح

۲۳	ل	مجہور، متوسط، مستفل، منفتح، مرقق یا مفخم
۲۴	م	مجہور، متوسط، مستفل، منفتح، غنہ
۲۵	ن	مجہور، متوسط، مستفل، منفتح، غنہ
۲۶	و	مجہور، رخو، مستفل، منفتح، مدہ
۲۷	ہ	مہموس، رخو، مستفل، منفتح
۲۸	ء	مجہور، شدید، مستفل، منفتح
۲۹	ی	مجہور، رخو، مستفل، منفتح، مدہ

پانچویں فصل: صفات ممیّزہ[۱] کے بیان میں

حروف اگر صفات لازمہ میں مشترک ہوں تو مخرج سے ممتاز ہوتے ہیں، اور اگر مخرج میں متحد ہوں تو صفت لازمہ منفردہ[۲] سے ممتاز ہوتے ہیں، جن حرفوں میں تمایز بالمخرج ہے ان کے بیان کرنے کی ضرورت نہیں، البتہ حروف متحدہ فی المخرج کے بیان کرنے کی ضرورت ہے۔

[ا، ء، ہ]: میں "الف" ممتاز ہے مدیت میں اور "ء" ممتاز ہے "ہ" سے جہر اور شدت میں، باقی صفات میں یہ دونوں متحد ہیں۔

[ع، ح]: "ح" میں ہمس اور رخاوت ہے "ع" میں جہر وتوسط، باقی میں اتحاد۔

---

[۱] مشتبہ الصوت حرف یا ایک مخرج کے حرفوں میں جن صفات لازمہ سے امتیاز ہوتا ہے ان کو ممیزہ، بقیہ صفات لازمہ کو غیر ممیزہ کہتے ہیں۔۱۲/ ابن ضیاء۔

[۲] اس سے مراد صفات لازمہ غیر متضادہ ہے، مثلاً بر بنائے مذہب فراء لام، راء مخرج میں متحد ہیں، اور صفات لازمہ متضادہ میں مشترک ہیں، اس صورت میں لام سے راء کو صفت لازمہ منفردہ یعنی غیر متضادہ تکریر سے امتیاز ہوا، اسی طرح لام نون صفات لازمہ متضادہ اور مخرج میں متحد ہیں، اس وقت لام کو نون سے صفت لازمہ غیر متضادہ غنہ سے امتیاز ہوا، اور عین حاء اگر چہ مخرج میں متحد ہیں لیکن صفات لازمہ متضادہ میں سے جہر اور توسط کی وجہ سے عین کو حاء سے امتیاز ہے، اس وجہ سے اس پر صفت لازمہ منفردہ کا اطلاق صحیح نہیں، کیوں کہ دو صفتوں کی وجہ سے امتیاز ہوا۔۱۲/ ابن ضیا عفی عنہ۔

[غ، خ]: ''خ'' میں جہر ہے، باقی میں اتحاد۔

[ج،ش،ی]: ''ج'' میں شدت ہے ''ش'' میں ہمس وتفشی ہے، باقی استفال اورانفتاح میں تینوں مشترک ہیں اور جہر میں ''ج، ی'' ورخاوت میں ''ش، ی''مشترک ہیں۔

[ط، د، ت]: شدت میں اشتراک اور ''ط، د'' جہر میں بھی مشترک ہیں، اور ''ت،د'' استفال وانفتاح میں مشترک ہیں، اور ''ط''میں اطباق، استعلا ہے اور ''ت'' میں ہمس ہے۔

[ظ، ذ، ث]: کا رخاوت میں اشتراک ہے، اور ''ظ، ذ'' جہر میں اور ''ذ، ث'' استفال انفتاح میں مشترک ہیں، اور ''ظ''ممیّزہ صفت استعلاء اطباق ہے، اور ''ذ، ث'' میں صفت ممیّزہ جہر ہمس ہے۔

[ص، ز، س]: رخاوت صفیر میں مشترک اور ''ص، س''ہمس میں اور ''ز، س'' استفال وانفتاح میں مشترک ہیں، اور ''ص'' میں صفت ممیّزہ استعلا اطباق، اور ''ز، س'' میں جہر ہمس ہے۔

[ل، ن، ر]: جہر، توسط، استفال، انفتاح میں مشترک ہیں، اور ''ل، ر'' انحراف[1] میں مشترک ہیں، اوران میں تمایز مخرج سے ہے، اسی واسطے سیبویہ اور خلیل نے ان کا مخرج الگ ترتیب وار رکھا ہے، اور فراء نے قرب کالحاظ کرکے ایک مخرج بیان کیا ہے، دوسرے یہ کہ ''ن'' میں غنہ ہے، اور ''ر'' میں تکرار۔

[و، ب، م]: جہر، استفال، انفتاح میں مشترک اور ''و'' کے ادا کرتے وقت شفتین

[1] یعنی منحرف ہونا پھرنا، صفات لازمہ میں سے یہ بھی ایک صفت ہے جو لام راء دونوں میں پائی جاتی ہے، اس طرح کہ لام کے ادا کرتے وقت آواز راء کی مخرج کی طرف پھرتی ہے، اور راء کے ادا کرتے وقت آواز لام کے مخرج کی طرف پھرتی ہے، کیوں کہ تحقیق یہی ہے کہ ہر حرف کا مخرج جداگانہ ہے۔ لیکن فراء نے بوجہ شدت قرب دونوں کا ایک ہی مخرج بیان کیا ہے۔ ۱۲/ابن ضیا۔

میں کسی قدر انفتاح رہتا ہے، اس وجہ سے اپنے مجانسوں سے ممتاز ہو جاتا ہے، گویا اس میں بھی تمایز بالمخرج ہے، اور "ب" میں شدت اور قلقلہ اور "م" میں توسط اور غنہ ممیّزہ ہے، اور "ض، ظ" میں جہر، رخاوت، استعلا، اطباق ہے، اور "ض" میں استطالہ ہے، اور ممیّز مخرج ہے، مگر اشتراک صفات ذاتیہ کی وجہ سے فرق کرنا اور ایک دوسرے سے ممتاز کرنا ماہرین کا کام ہے، اور ماہر کے فرق کو ماہر ہی خوب سمجھتا ہے (۱)۔

---

(۱) **فائدہ**: حرف ضاد ضعیف کو ابن الحاجب نے جو کہ امام شاطبی کے شاگرد ہیں شافیہ میں حروف مستہجنہ سے لکھا ہے، اور امام رضی اس کی شرح میں لکھتے ہیں: "قال السیرا فی انها فی لغة قوم لیس فی لغتهم ضاد فاذا احتاجوا الی التکلم بها فی العربیة اعتاصت علیهم فربما اخرجوها ظاء لاخراجهم ایاها من طرف للسان واطراف الثنایا وربما تکلفوا اخراجها من مخرج الضاد فلم یتات لهم فخرجت بین الضاد والظاء"۔ شافیہ اور اس کی شرح سے بعض متاخرین نیز روافض وغیر مقلدین کی تردید ہوگئی، جو کہ قائل ہیں کہ ظاء وضاد میں اشتراک صفات ذاتیہ کی وجہ سے حرف ضاد مثل ظاء کے مسموع ہوتا ہے، بلکہ ان میں فرق کرنا نہایت دشوار ہے، لہٰذا اگر ضاد کی جگہ ظاء پڑھی جائے تو کچھ حرج نہیں، کیوں کہ اشتراک کو تشابہ لازم نہیں، اس واسطے کہ جیم ودال بھی جمیع صفات میں مشترک ہیں، مگر تخالف مخرج کی وجہ سے دونوں کی صوت میں بالکل تباین ہے، اصلاً تشابہ نہیں اور ضاد اور ظاء میں تخالف مخرج موجود ہے، مگر چوں کہ مخرج ضاد کا اکثر حافۂ لسان مع اضراس اور مخرج ظاء کا طرف لسان مع طرف ثنایا علیا ہے، اور پھر ان دونوں حرفوں میں استعلاء اطباق ہے، اس وجہ سے ان میں تقارب ہوگیا، پھر صفت رخاوت کی وجہ سے ان میں تشابہ صوتی پیدا ہوگیا یہ وجہ ہے تشابہ کی بخلاف جیم و دال کے کہ ان میں یہ وجوہ نہیں، اب تشابہ ضاد، ظاء میں ثابت ہوگیا، مگر ایسا تشابہ کہ حرف ضاد قریب حرف ظاء کے مسموع ہو اس طرح کا تشابہ ممنوع ہے، اسی کو ابن حاجب اور رضی نے مستھجن لکھا کیوں کہ باعث تشابہ صفت رخوت ہے، اور یہ صفت ضاد میں بہ نسبت ظاء کے ضعیف ہوگئی اس واسطے کہ ضاد میں صفت اطباق کی بہ نسبت ظاء کے قوی ہے اور لامحالہ جتنی صفت اطباق قوی ہوگی اتنی ہی صفت رخاوت میں ضعف پیدا ہوگا، کیوں کہ اطباق محکم منافی رخاوت ہے۔ دوسری وجہ ضعف رخاوت یہ ہے کہ ضاد کا مخرج مجری صوت وہوا سے ایک کنارے واقع ہوا ہے، بخلاف مخرج ظاء کے کہ وہ محاذات میں واقع ہے، اسی وجہ سے ظاء میں رخاوت قوی ہے، اور جب رخاوت قوی ہوئی تو لامحالہ اطباق ضعیف ہوگا، ماحصل یہ کہ جب ضاد کو اپنے مخرج سے مع جمیع صفات ادا کیا جائے گا تو اس وقت اس کی

باب دوم

پہلی فصل: تفخیم اور ترقیق کے بیان میں

باعتبار تفخیم وترقیق حرفوں کی تقسیم: حروف مستعلیہ ہمیشہ[1] ہر حال[2] میں پُر پڑھے جائیں گے، اور حروف مستفلہ سب باریک پڑھے جاتے ہیں، مگر ''الف'' اور

صوت اہل عرب کے ضاد کی صوت سے جو آج کل مروج ہے مشابہ ہوگی، اور ظاء کے ساتھ بھی تشابہ ہوگا، مگر کم درجہ میں، اس واسطے کہ ضاد میں اطباق وتفخیم بہ نسبت ظاء کے زیادہ ہے، کیوں کہ رخاوت ظاء کی بہ نسبت ضاد کے قوی ہے، اور رخاوت واطباق میں تقابل ہے، ایک قوی ہوگی دوسری ضعیف ہوگی، اب اگر ضاد میں صفت رخاوت زیادہ ہوجائے گی تو شبہ بظاہر ہوجائے گا، اور اسی کو صاحب شافیہ اور رضی نے مستھجن لکھا ہے، اور اگر اطباق قوی ادا کیا جائے گا مع رخاوت کے تو اشبہ بضاد مروج بین العرب ادا ہوگا، اور کسی قدر ظاء کے ساتھ بھی مشابہ ہوگا، بعض کتب تفسیر وتجوید میں جو ضاد وظاء کو متشابہ الصوت لکھا ہے، اس سے یہی مراد ہے، نہ یہ کہ ظاء مسموع ہو، اب تعارض بھی نہیں رہا، اب **سوال**: یہ ہوتا ہے کہ بعض قراءِ عجم اہل عرب کو کہتے ہیں کہ ضاد کی جگہ دال مفخم پڑھتے ہیں؟ **جواب**: یہ ہے کہ دال مفخم کوئی حرف ہی نہیں، اس واسطے کہ دال کی صفت ذاتی استفال انفتاح اور مخرج طرف لسان اور جڑ ثنایا علیا ہے، اور اہل عرب ضاد کو اپنے مخرج مع استعلا اطباق کے عموماً ادا کرتے ہیں، اور ایک حرف دوسرے مخرج مباین سے ادا ہی نہیں ہوتا اور جب صفات ذاتیہ بھی بدل گئیں تو دال اسے نہیں کہہ سکتے، اصل میں وہ ضاد ہے مگر صفت رخاوت جو قلت اور ضعف کے ساتھ اس میں پائی جاتی تھی وہ اکثر عرب سے شاید ادا نہ ہوتی ہو، غاية ما فی الباب یہ لحن خفی ہوگا، اور ظاء خالص اور دال خالص یا دال کو اپنے مخرج سے پُر کر کے پڑھنا یہ لحن جلی ہے، کیوں کہ پہلی صورت میں صرف ایک صفت جو کہ نہایت کمزور درجہ میں تھی اس کا ابدال یا انعدام ہوا ہے، باقی صورتوں میں ابدال حرف بہ حرف آخر لازم آتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ ۱۲/منہ۔

[1] یعنی حروف مستعلیہ کسی حرف مرقق کے اثر سے بھی باریک نہیں ہوتا، جیسے ''وَسِيْقَ'' بخلاف حرف مستفلہ مثل راء وغیرہ کے جیسے ''فِرْقَةٌ'' کہ باوجود مستفلہ اور ماقبل کسرہ لازمہ کے محض حرف مفخم کے اثر سے راء پُر ہوگی۔ ۱۲/ابن ضیا۔

[2] یعنی حروف مستعلیہ کسی حرکت کے اثر سے بھی باریک نہیں ہوتا، مثل ''ظِلِّ'' وغیرہ کے بخلاف حرف مستفلہ مثل لام وغیرہ کے جیسے ''اَللّٰهُمَّ'' اور ''رَبِّ، رُبَّمَا'' کہ زبر اور پیش کے اثر سے پُر ہوگیا۔ ۱۲/ابن ضیا۔

اللہ کا ”لام“ اور ”را“ کہیں باریک اور کہیں پُر ہوتے ہیں۔

الف کی تفخیم و ترقیق: الف کے پہلے پُر حرف ہوگا تو لف بھی پُر ہوگا، اور اس کے پہلے کا حرف باریک ہوگا تو الف بھی باریک ہوگا۔

تفخیم لام اسم جلالہ: اور اللہ کے لام کے پہلے زبر یا پیش ہو تو پُر[1] ہوگا، مثل ”وَاللّٰهُ، اَللّٰهُ، رَفَعَهُ اللّٰهُ“ اگر اس کے پہلے زیر ہو تو باریک ہوگا، مثل ”لِلّٰهِ“۔

”را“ کے قواعد

”را“ متحرک کا حکم: ”را“ متحرک ہوگی یا ساکن، اگر متحرک ہے تو فتحہ اور ضمہ کی حالت میں پُر ہوگی اور کسرہ کی حالت میں باریک ہوگی، مثل ”رَعْدٌ، رُزِقُوْ، رِزْقًا“۔

”را“ ساکن کا حکم: اور اگر ”را“ ساکن ہے تو اس کے ماقبل متحرک ہوگا یا ساکن، اگر ماقبل متحرک ہے تو فتحہ اور ضمہ کی حالت میں پُر ہوگی، اور کسرہ کی حالت میں باریک ہوگی، مثل ”یُرْزَقُوْنَ، بَرْقٌ، شِرْعَةٌ“۔

مگر جب ”را“ ساکن کے ماقبل کسرہ دوسرے کلمہ میں ہو تو مثل ”رَبِّ ارْجِعُوْنِیْ“ یا کسرہ عارضی ہو مثل ”اَمِ ارْتَابُوْا، اِنِ ارْتَبْتُمْ“ یا ”را“ ساکن کے بعد حرف استعلا کا اسی کلمہ میں ہو جس کلمہ میں ”را“ ہے، تو یہ ”را“ باریک نہ ہوگی بلکہ پُر ہوگی، مثل ”قِرْطَاسٌ، فِرْقَةٌ“ اور ”فِرْقٍ“ میں خُلف[2] ہے۔

---

[1] یعنی لفظ "اَللّٰهُ" کے دونوں لام پُر ہوں گے اور ماقبل زیر ہو تو دونوں لام باریک ہوں گے۔ ۱۲/ابن ضیا۔

[2] یعنی "کُلُّ فِرْقٍ" میں پُر اور باریک دونوں جائز ہیں، خلف کا اطلاق دو متضاد وجہوں پر ہوتا ہے۔ پس اگر یہ دو وجہیں کل قراء سے ثابت ہوں تو خلف جائز ہے، ورنہ خلف واجب۔ لیکن خلف جائز میں دونوں وجہیں بسبیل تخییر ہوتی ہیں، یہ بات خلف واجب میں نہیں ہے، یہاں لفظ فرق میں خلف جائز ہے، اس میں خلف ہونے کی وجہ علامہ جزری رحمۃ اللہ علیہ یہ بیان فرماتے ہیں "وَالْخُلْفُ فِیْ فِرْقٍ لِکَسْرٍ یُوْجَدُ" یعنی کسرہ کی وجہ سے فرق میں خلف پایا گیا، ورنہ اگر راء ساکن بین الکسرتین واقع نہ ہوتی تو پُر ہونے کے بارے میں اختلاف نہ ہوتا، جیسے "فِرْقَةٌ" لیکن "کُلُّ فِرْقٍ" کے قاف کا کسرہ بوجہ وقف زائل ہو جائے جب بھی دونوں وجہیں جائز ہیں، چاہے پُر پڑھی جائے یا باریک، اس لیے کہ کسرہ لازمی ہے اور وقف عارضی ہے۔ ۱۲/ابن ضیا۔

را ساکن ماقبل ساکن: اور اگر "را" موقوفہ بالاسکان یا بالاشمام[1] کے ماقبل سوائے "ی" کے اور کوئی حرف ساکن ہو تو اس کا قبل دیکھا جائے گا، اگر مفتوح یا مضموم ہے تو "را" پُر ہوگی، مثل "قَدْرٌ، اُمُوْرٌ" اور اگر مکسور ہے تو "را" باریک ہوگی، مثل "حِجْرٌ" کے، اگر ساکن "ی" ہو تو باریک ہوگی، جیسے "خَیْرٌ، ضَیْرٌ، خَبِیْرٌ، قَدِیْرٌ".

راء مُرَامَہ کا حکم: راء مرامہ یعنی موقوفہ بالروم[2] اپنی حرکت کے موافق پڑھی جائے گی۔

اور **راء مُمَالَہ کا حکم**: راء ممالہ[3] باریک ہی پڑھی جائے گی، مثل "مَجْرٖیهَا".

فائدہ: راء مشددہ کا حکم: "راء" مشددہ حکم میں ایک راء کے ہوتی ہے، جیسی حرکت ہوگی اسی کے موافق پڑھی جائے گی، پہلی دوسری کی تابع[4] ہوگی۔

فائدہ: حروف مفخمہ میں تفخیم ایسی افراط سے نہ کی جائے کہ وہ حرف مشددہ سنائی دے، یا کسرہ مشابہ فتحہ کے یا فتحہ مشابہ ضمہ کے یا مفخم حرف کے بعد الف ہے تو وہ "واؤ" کی طرح ہو جائے۔

مراتب تفخیم: تفخیم میں مراتب ہیں:

(۱) حرف مفخم مفتوح جس کے بعد الف ہو تو اس کی تفخیم اعلیٰ درجہ کی ہوتی ہے، مثل "طَالَ"

---

[1] یعنی موقوف علیہ مضموم کو ساکن کر کے ہونٹوں سے ضمہ کی طرف اشارہ کرنا۔۱۲/ابن ضیا عفی عنہ۔

[2] یعنی موقوف علیہ مضموم اور مکسور کی حرکت کو ضعیف اور خفیف کرنا، مگر اس صورت میں حرکت کو قریب سننے والا صاف محسوس کر سکے، یعنی حرکت مہمل نہ ہونے پائے، جس سے ضمہ کسرہ کے مشابہ یا کسرہ ضمہ کے مشابہ ہو جائے، یہ سخت غلطی ہے، اکثر خیال نہ کرنے سے یہ غلطی ہو جاتی ہے۔۱۲/ابن ضیا۔

[3] یعنی جس راء میں امالہ کیا جائے امالہ کے وقت زبر زیر کی طرف اور الف یاء کی طرف مائل ہوگا، اسی زیر اور یاء کے اثر سے راء ممالہ باریک ہوگی۔۱۲/ابن ضیا۔

[4] حکم وصل کا ہے اور بحالت وقف دوسری پہلی کے تابع ہے، جب کہ روم نہ کیا جائے، جیسے "مُسْتَقِرٌّ" اس لیے کہ روم بوجہ اظہار حرکت حکم وصل کا رکھتا ہے۔۱۲/ابن ضیا۔

(۲) اس کے بعد مفتوح جو الف کے قبل نہ ہو، مثل "اِنۡطَلِقُوۡا".
(۳) اس کے بعد مضموم، مثل "مُحِيۡطٌ".
(۴) اس کے بعد مکسور، مثل "ظِلٍّ، قِرۡطَاسٍ" اور ساکن مفخم ماقبل کی حرکت کے تابع ہے، مثل "يَقۡطَعُوۡنَ، يُرۡزَقُوۡنَ، مِرۡصَادًا" اب معلوم ہوا کہ حرف مفخم کے فتحہ کو مانند ضمہ کے اور اس کے مابعد کے الف کو مانند "واؤ" کے پڑھنا بالکل خلاف اصل ہے، ایسا ہی حرف مرقق کے فتحہ کو اس قدر مرقق کرنا کہ مانند امالہ صغری[۱] کے ہو جائے، یہ خلاف قاعدہ ہے، یہ افراط وتفریط کلام عرب میں نہیں ہے، یہ اہل عجم کا طریقہ ہے۔

دوسری فصل: نون ساکن اور تنوین کے بیان میں

نون ساکن اور تنوین کے چار حال ہیں:
(۱) اظہار (۲) ادغام (۳) قلب (۴) اخفاء۔

اظہار حلقی: حرف حلقی نون ساکن اور تنوین کے بعد آئے تو اظہار[۲] ہوگا، مثل "يَنۡعِقُ، عَذَابٌ اَلِيۡمٌ".

ادغام: اور جب نون ساکن اور تنوین کے بعد "يَرۡمَلُوۡنَ" کے حروف میں سے کوئی حرف آئے تو ادغام[۳] ہوگا مگر "لام، راء" میں ادغام بلا غنہ ہوگا، اور ادغام بالغنہ[۴] بھی

---

[۱] لفظ "مَجۡرِيهَا" میں جو امالہ ہوتا ہے اس کو امالہ کبریٰ کہتے ہیں، اور امالہ کی ضد کو فتح کہتے ہیں، پس فتح کو امالہ کی طرف مائل کرنے کو امالہ صغریٰ کہتے ہیں، لیکن روایت حفص میں امالہ صغریٰ نہیں ہے۔۱۲/ ابن ضیا۔

[۲] اظہار کے معنی ہیں، حرف کو مخرج اور جملہ صفات لازمہ سے ادا کرنا۔۱۲/ ابن ضیا۔

[۳] ادغام کے معنی ہیں، پہلے حرف ساکن کو دوسرے حرف متحرک میں ملا کر مشدد پڑھنا۔۱۲/ ابن ضیا۔

[۴] مثل "مِنۡ لَّدُنَّا" وغیرہ کے، اس کتاب میں روایت حفص کے مسائل بطریق طیبہ بیان کیے گئے ہیں، جو طریق شاطبی کو بھی شامل ہے، اس وجہ سے پہلے طریق شاطبی کے مسائل بیان کیے گئے، اس کے بعد لفظ بھی سے دوسرے طریق جزری کی طرف اشارہ فرمایا، وقس علی هذا ما بعد ها۔۱۲/ ابن ضیا۔

نون ساکن اورتنوین میں ثابت ہے، مگر نون ساکن میں یہ شرط ہے کہ مقطوع[1] یعنی مرسوم ہو، اوراگر موصول ہے یعنی مرسوم[2] نہیں ہے تو غنہ جائز نہیں، باقی حروف میں بالغنہ ہوگا، مثل "مَنْ يَّقُوْلُ، مِنْ وَّالٍ، هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ، مِنْ رَّبِّهِمْ".

اظہار مطلق: چار لفظ یعنی "دُنْيَا، قِنْوَانٌ، بُنْيَانٌ، صِنْوَانٌ" ان میں ادغام نہ ہوگا، اظہار ہوگا۔

اقلاب: اور جب نون ساکن اورتنوین کے بعد "ب" آئے تو نون ساکن اورتنوین کو میم سے[3] بدل کر اخفاء مع الغنہ کریں گے، مثل "مِنْ بَعْدِ، صُمٌّ بُكْمٌ".

اخفاءِ حقیقی: باقی پندرہ حرفوں میں اخفا مع الغنہ[4] ہوگا "تُنْفِقُوْنَ، اَنْدَادًا" وغیرہ کے۔

تیسری فصل: میم ساکن کے بیان میں

میم ساکن کے تین حال ہیں:

(۱) ادغام (۲) اخفا (۳) اظہار۔

ادغامِ شفوی: میم ساکن کے بعد دوسری میم آئے تو دغام ہوگا، مثل "اَمْ مَّنْ".

اخفاءِ شفوی: اور اگر میم ساکن کے بعد "ب" آئے تو اخفا ہوگا، اور اظہار بھی جائز ہے، بشرطیکہ میم منقلب[5] نون ساکن اورتنوین سے نہ ہو، مثل "وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ".

---

[1] یعنی لام سے پہلے نون لکھا ہو، جیسے سورۂ ھود میں ثانی "اَنْ لَا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ"۔۱۲/ابن ضیا۔

[2] جیسے سورۂ ھود میں پہلا "اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ"۔۱۲/ابن ضیا۔

[3] اس قاعدہ کو قلب یا اقلاب کہتے ہیں۔۱۲/ابن ضیا۔

[4] یعنی نہ ایسا اظہار ذات ہو کہ نون سنائی دے، اور نہ ایسا ادغام ہو کہ تشدید سنائی دے، بلکہ دونوں کی درمیانی حالت سے اس طرح ادا کیا جائے کہ ستر ذات کامل ہو، البتہ میم مخفاۃ اپنے مخرج سے ضعیف ادا ہوگی، اسی وجہ سے اس کے اخفا میں ستر ذات کامل نہیں ہوتا۔۱۲/ابن ضیا۔

[5] میم نون سے بدل کر آئی ہو۔۱۲/ابن ضیا۔

اظہار شفوی: باقی حروف میں اظہار ہوگا، مثل ”عَلَيۡهِمۡ وَلَا الضَّآلِّيۡنَ، وَكَيۡدَهُمۡ فِيۡ تَضۡلِيۡلٍ“.

فائدہ: بوف[1] کا قاعدہ جو مشہور ہے، یعنی میم ساکن کے بعد ”ب“ آئے تو اخفا ہوگا اور ”و، ف“ آئے تو اظہار اس طرح کیا جائے کہ میم کے سکون میں حرکت کی بو آجائے، یہ اظہار بالکل بے اصل ہے، بلکہ میم کا سکون بالکل تام ہونا چاہیے، حرکت کی ہوا[2] بھی نہ لگے۔

چوتھی فصل: حرف غنہ کے بیان میں

نون میم مشدد ہو تو غنہ ہوگا، ایسے ہی نون ساکن اور تنوین کے آگے سوائے حرف حلقی اور ”لام، را“ کے جو حرف آئے گا غنہ ہوگا، ایسے ہی میم ساکن کے بعد ”ب“ آئے تو اخفا کی حالت میں غنہ ہوگا، غنہ کی مقدار ایک الف ہے۔

پانچویں فصل: ہائے ضمیر کے بیان میں

ھائے ضمیر کا اعراب: قاعدہ: (۱) ہائے ضمیر کے ماقبل کسرہ یا یائے ساکنہ ہو تو ہائے ضمیر کی مکسور ہوگی، مثل ”بِهٖ وَاِلَيۡهِ“ کے، مگر دو جگہ مضموم ہوگی، ایک ”وَمَآ اَنۡسَانِيۡهُ“ سورۂ کہف میں، دوسرے ”عَلَيۡهُ اللّٰهَ“ سورۂ فتح میں، اور دو لفظ میں ساکن ہوگی، ایک تو ”اَرۡجِهۡ“ اور دوسرا ”فَاَلۡقِهۡ“.

---

[1] چوں کہ میم ساکن کا اخفا نزدیک ”با، واؤ، فا“ کے زیادہ مشہور ہے، اس لیے لفظ مرکب کر کے بُوف کے ساتھ اطلاق ہوتا ہے، اگر چہ نزدیک واؤ اور فاء کے اخفا جائز نہیں، جیسا کہ علامہ جزری فرماتے ہیں "واحذر لدی واو وفاء ان تختفی" یعنی واؤ اور فاء کے نزدیک میم ساکن آئے تو اخفا کرنے سے بچو۔ ۱۲/ابن ضیا۔

[2] مثل "هُمۡ فِيۡهَا" کے، میم ساکن پر حرکت آجانے سے لحن جلی لازم آئے گا، اور اگر خفیف اور ضعیف حرکت ظاہر ہوئی جس کو ہوا کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے تو لحن خفی لازم آئے گا۔ ۱۲/ابن ضیا۔

قاعدہ: (۲) اور جب ضمیر کے ماقبل نہ کسرہ ہو نہ یائے ساکنہ تو مضموم ہوگی، مثل "لَهٗ، رَسُوْلُهٗ، مِنْهُ، اَخَاهُ، رَاَيْتُمُوْهُ" مگر "وَلْيَتَّقْهِ فَاُولٰٓئِكَ" میں مکسور ہوگی۔

هاءِ ضمیر کا صله: قاعدہ: (۳) اور جب ہائے ضمیر کے ماقبل اور مابعد متحرک ہو تو ضمیر کی حرکت اشباع[1] کے ساتھ پڑھی جائے گی، یعنی اگر ضمیر پر ضمہ ہو تو اس کے مابعد واوٗ ساکن زائد ہوگا، اگر ضمیر پر کسرہ ہے تو اس کے مابعد یائے ساکنہ زائد ہوگی، مثل "مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ، وَرَسُوْلُهٗ اَحَقُّ"، مگر ایک جگہ اشباع نہ ہوگا، یعنی "وَاِنْ تَشْكُرُوْا يَرْضَهُ لَكُمْ" اس کا ضمہ غیر موصولہ[2] پڑھا جائے گا۔

قاعدہ: (۴) اور اگر ماقبل یا مابعد ساکن ہو تو اشباع نہ ہوگا، مثل "مِنْهُ، وَيُعَلِّمُهُ الْكِتَابَ" مگر "فِيْهٖ مُهَانًا" جو سورۂ فرقان میں ہے، اس میں اشباع ہوگا۔

چھٹی فصل: ادغام کے بیان میں

باعتبار علت: ادغام تین[3] قسم پر ہے:

(۱) مثلین (۲) متجانسین (۳) متقاربین۔

مثلین: اگر حرف مکرر میں ادغام ہوا ہے تو ادغام مثلین کہلائے گا، مثل "اِذْ ذَّهَبَ"۔

متجانسین: اور اگر ادغام ایسے دو حرفوں میں ہوا ہے جن کا مخرج ایک گنا جاتا ہے، تو اس ادغام کو ادغامِ متجانسین کہتے ہیں، مثل "وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ"۔

متقاربین: اور اگر ادغام ایسے دو حرفوں میں ہوا ہے کہ وہ دو حرف نہ مثلین ہیں نہ متجانسین، تو ادغام متقاربین کہلائے گا، مثل "اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ"۔

---

[1] یعنی پیش کو بقدر واوٗ مدہ اور زیر کو بقدر یاء مدہ بڑھا کر پڑھنا، پس اگر ہائے ضمیر میں اشباع کے بعد ہمزہ پڑھا جائے تو مد منفصل کے قاعدے سے اس میں مد بھی ہوگا، اگرچہ حرف مد لکھا ہوا نہیں ہے۔ ۱۲/ابن ضیا۔

[2] یعنی "يَرْضَهُ لَكُمْ" میں صلہ اور اشباع نہ ہوگا۔ ۱۲/ابن ضیا۔

[3] یہ تین قسمیں محل اور مخرج کے اعتبار سے ہیں۔ ۱۲/ابن ضیا۔

باعتبار کیفیت ادغام کی تقسیم: پھر ادغام متجانسین اور متقاربین دو قسم[1] پر ہے:

(۱) ناقص، اور (۲) تام۔

تام: اگر پہلے حرف کو دوسرے حرف سے بدل کر ادغام کیا ہے تو ادغام تام کہلائے گا، مثل "قُلْ رَّبِّ" اور "قَالَتْ طَّآئِفَةٌ، عَمَّ".

ناقص: اور اگر پہلے حرف کی کوئی صفت باقی ہے تو ادغام ناقص ہوگا، مثل "مَنْ يَّقُوْلُ، مِنْ وَّالٍ" اور "بَسَطْتَّ، اَحَطْتُّ" کے۔

حکم ادغام: مثلین اور متجانسین کا پہلا حرف جب ساکن ہو تو ادغام واجب ہے، مثل "اِنِ اضْرِبْ بِّعَصَا كَا الْحَجَرِ، وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ، عَبَدْ تُّمْ، اِذْ ظَّلَمُوْا، اِذْ ذَّهَبَ، قَدْ تَّبَيَّنَ، قَدْ دَّخَلُوْا، قُلْ رَّبِّ، بَلْ رَّفَعَهُ" اور "يَلْهَثْ ذّٰلِكَ، يٰبُنَيَّ ارْكَبْ مَّعَنَا" میں اظہار بھی ثابت ہے۔

موانع ادغام: (۱) اور جب دو "واؤ" اور دو "یا" جمع ہوں اور پہلا حرف مدہ ہو، مثل "قَالُوْا وَهُمْ، فِيْ يَوْمٍ" تو ادغام نہ ہوگا۔

(۲) ایسے ہی حرف حلقی کسی حرف غیر حلقی میں مثل "لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا" اور اپنے مجانس میں، مثل "فَاصْفَحْ عَنْهُمْ"[2] مدغم نہ ہوگا، اور اپنے مماثل میں مدغم ہوگا، مثل "يُوَجِّهْهُ، مَالِيَهْ هَّلَكَ".

(۳) ایسے ہی لام کا ادغام "ن" میں نہ ہوگا، مثل "قُلْنَا".

فائدہ: اظہار قمریہ: لام تعریف اگر ان چودہ ۱۴ رحرف کے قبل آئے تو اظہار ہوگا، اور چودہ ۱۴ رحرف یہ ہیں "اِبْغِ حَجَّكَ وَخَفْ عَقِيْمَهٗ" اوران کو حروف قمریہ کہتے ہیں، جیسے "آلْاٰنَ، اَلْبُخْلِ، اَلْغُرُوْرُ، اَلْحَسَنَةَ، بِالْجُنُوْدِ، اَلْكَوْثَرَ، اَلْوَاقِعَةُ، اَلْخَآئِبِيْنَ، اَلْفَآئِزُوْنَ، اَلْعُلٰى، اَلْقَانِتِيْنَ، اَلْيَوْمَ، اَلْمُحْسِنَاتُ".

---

[1] یہ دو قسمیں کیفیت ادغام کے اعتبار سے ہیں۔ ۱۲ ر ابن ضیا۔

[2] دغام کی علت رفع ثقل ہے، لیکن جب کہیں ادغام سے ثقل ہوتا ہے تو پھر ادغام نہیں ہوتا۔ ۱۲ ر ابن ضیا عفی عنہ۔

ادغام شمسیہ: باقی چودہ حرفوں میں ادغام کیا جائے گا، جن کو حروف شمسیہ کہتے ہیں، جیسے "وَالصّٰفّٰتِ، وَالذّٰرِیٰتِ، اَلثَّاقِبُ، اَلدَّاعِیُ، اَلتَّآئِبُوْنَ، اَلزَّانِیُ، اَلسَّالِکِیْنَ، اَلرَّحْمٰنُ، اَلشَّمْسُ، وَلَا الضَّآلِّیْنَ، اَلطَّارِقُ، اَلظّٰلِمِیْنَ، اَللّٰہُ، اَلنَّجْمُ".

فائدہ: نون ساکن اور تنوین کا ادغام "ی" اور "واؤ" میں، اور "ط" کا ادغام "ت" میں ناقص ہوگا، اور "اَلَمْ نَخْلُقْکُّمْ" میں ادغام ناقص بھی جائز ہے، مگر ادغام تام اولیٰ ہے، اور "نٓ وَالْقَلَمِ" اور "یٰسٓ وَالْقُرْاٰنِ" میں اظہار ہوگا، اور ادغام بھی ثابت ہے۔

فائدہ: "عِوَجًا قَیِّمًا" سورۂ کہف میں، اور "مَنْ رَّاقٍ" سورۂ قیامہ میں، اور "بَلْ رَّانَ" سورۂ مطففین میں اظہار ہوگا سکتہ[1] کی وجہ سے، ایک جگہ حفص رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں اور بھی سکتہ ہے، یعنی "مِنْ مَّرْقَدِنَا" سورۂ یٰسٓ میں، اور چوں کہ سکتہ ایک لحاظ سے حکم وقف[2] کا رکھتا ہے، اس وجہ سے "عِوَجًا" کی تنوین کو الف سے بدل دیا جائے، اور حفص کی روایت میں ترکِ[3] سکتہ بھی ان مواضع میں ثابت ہے، تو اس وقت موضع اول میں اخفا ہوگا، اور ثانیین میں ادغام ہوگا۔

فائدہ: مشدد حرفوں میں دیر دو حرف کی ہوتی ہے۔

فائدہ: جب دو حرف مثلین غیر مدغم ہوں تو ہر ایک کو خوب ظاہر کر کے پڑھنا چاہیے۔ مثل "اَعْیُنِنَا، شِرْکِکُمْ، یُحْیِ، دَاوٗدُ" ایسا ہی متقاربین متصل ہوں یا قریب ہوں اور ادغام نہ کیا جائے تب بھی خوب ہر ایک کو صاف پڑھنا چاہیے، مثل "قَدْ جَآءَ، قَدْ ضَلُّوْا، اِذْ تَقُوْلُ، اِذْ زَیَّنَ" ایسا ہی جب دو حرف ضعیف جمع ہوں، مثل "جِبَاهُهُمْ" یا قوی

---

[1] سکتہ کے معنی ہیں بلا سانس توڑے ہوئے آواز بند کر کے تھوڑا ٹھہرنا۔ ۱۲ ابن ضیا۔

[2] یعنی متحرک کو ساکن کرنا اور دو زبر کی تنوین کو الف سے بدلنا۔ ۱۲ ابن ضیا۔

[3] یعنی علامہ جزری رحمۃ اللہ علیہ کے دوسرے طریق سے بروایت حفص رحمۃ اللہ علیہ ان مواضعات میں ترک سکتہ بھی ہے، اور پہلا طریق جو طریق شاطبی کے موافق ہے اس سے انھیں مواضعات اربعہ میں سکتہ واجب ہے، ان کے علاوہ روایت حفص سے سکتہ معنوی کہیں نہیں ثابت۔ ۱۲ ابن ضیا۔

حرف کے قریب ضعیف حرف ہو، مثل "اِهْدِنَا" یا دو حرف مفخم متصل یا قریب ہوں، مثل "مُضْطَرَّ، صَلْصَالٍ" یا دو حرف مشدد قریب یا متصل ہوں، مثل "ذُرِّيَّةً، مُطَهَّرِيْنَ، مِنْ مَّنِيٍّ يُّمْنٰى، لُجِّيٍّ يَّغْشٰهُ، وَعَلٰى اُمَمٍ مِّمَّنْ مَّعَكَ" ایسا ہی دو حرف متشابہ الصوت جمع ہوں، مثل "صاد سین، ط ت، ض ظ ذ، ق ک" تو ہر ایک کو ممتاز کر کے پڑھنا چاہیے اور جو صفت جس کی ہے، اس کو پورے طور سے ادا کرنا چاہیے۔

ساتویں فصل: ہمزہ کے بیان میں

اجتماع ھمزتین کے قواعد:

قاعدہ: (۱) جب دو ہمزہ متحرک جمع ہوں اور دونوں قطعی[1] ہوں تو تحقیق سے یعنی خوب صاف طور سے پڑھنا چاہیے، مگر "ءَ اَعْجَمِيٌّ" جو سورۂ حم سجدہ میں ہے، اس کے دوسرے ہمزہ میں تسہیل ہوگی[2]۔

قاعدہ: (۲) اور اگر پہلا ہمزہ استفہام ہے اور دوسرا ہمزہ وصلی مفتوح ہے تو جائز ہے دوسرے ہمزہ میں تسہیل اور ابدال، مگر ابدال اَولیٰ ہے، اور یہ چھ جگہ ہے: "آٰلْئٰنَ" سورۂ یونس میں دو جگہ "ءآلذَّكَرَيْنِ" سورۂ انعام میں دو جگہ ہے "آٰللّٰهُ" دو جگہ ہے، ایک سورۂ یونس میں، دوسرا سورۂ نمل میں ہے۔

قاعدہ: (۳) اور جب پہلا ہمزہ استفہام کا ہو اور دوسرا ہمزہ وصلی مفتوح نہ ہو، تو یہ دوسرا ہمزہ حذف کیا جائے گا، مثل "اِفْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ، اَصْطَفَى الْبَنَاتِ، اَسْتَكْبَرْتَ" اور فتحہ کی حال میں جو حذف نہیں ہوتا، اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں التباس[3] انشاء کا خبر کے

---

[1] جس کو ہمزۂ اصلی بھی کہتے ہیں، یہ ہمزہ وصل میں حذف نہیں ہوتا، پس جو ہمزہ وصل میں حذف ہو جائے اس کو وصلی اور عارضی بھی کہتے ہیں۔ ۱۲/ ابن ضیا۔

[2] یعنی دوسرے ہمزہ کو اس سہولت سے ادا کرنا کہ نہ ضغطہ ہو نہ الف، بلکہ درمیانی حالت سے ادا کیا جائے۔ ۱۲/ ابن ضیا۔

[3] یعنی حذف کرنے سے یہ پتہ نہ چلے گا کہ ہمزہ موجودہ اصلی ہے یا وصلی، کیوں کہ دونوں مفتوح تھے۔ ۱۲/ ابن ضیا۔

ساتھ ہو جائے گا، اور چوں کہ ہمزہ وصلی وسط کلام میں حذف ہوتا ہے، اس وجہ سے اس میں تغیر کیا جاتا ہے، اسی وجہ سے ابدال اولیٰ ہے، کیوں کہ اس میں تغیر تام ہے، بخلاف تسہیل کے۔

قاعدہ: (۴) اور جب دو ہمزہ جمع ہوں اور پہلا متحرک دوسرا ساکن ہو تو واجب ہے ہمزۂ ساکن کو پہلے ہمزہ کی حرکت کے موافق حرف سے بدلنا، مثل "اٰمَنُوْا، اِیْمَانًا، اُوْتُمِنَ، اٰیٰتِ"

قاعدہ: (۵) اور جب پہلا ہمزہ وصلی ہو تو ابتدا کی حالت میں ہمزۂ ساکنہ بدلا جائے گا، اور جب ہمزہ وصلی گر جائے گا تب ابدال نہ ہوگا، مثل "اَلَّذِی اؤْتُمِنَ، فِی السَّمٰوٰتِ ائْتُوْنِیْ، فِرْعَوْنُ ائْتُوْنِیْ"

ہمزۂ وصلی کا حکم: ہمزۂ وصلی کے ماقبل جب کوئی کلمہ بڑھایا جائے گا تو یہ ہمزہ حذف کیا جائے گا، اور ثابت رکھنا درست نہیں، البتہ ابتدا میں ثابت رہتا ہے۔

ہمزۂ وصلیہ کا اعراب: اگر لام تعریف کا ہمزہ ہے تو مفتوح ہوگا، اور اگر کسی اسم کا ہمزہ ہے تو مکسور ہوگا، اور اگر فعل کا ہے تو تیسرے حرف کا ضمہ اگر اصلی ہے تو ہمزہ بھی مضموم ہوگا، ورنہ مکسور، مثل "اَلَّذِیْنَ، اِسْمٌ، اِبْنٌ، اِنْتِقَامٌ، اُجْتُثَّتْ، اِضْرِبْ، اِنْفَجَرَتْ، اِفْتَحْ"۔ "اِمْشُوْا، اِتَّقُوْا، اِئْتُوْا" میں چوں کہ ضمہ عارضی ہے اس وجہ سے ہمزہ مضموم نہ ہوگا، بلکہ مکسور ہوگا۔

فائدہ: ہمزہ عین کے ساتھ یا "ح" کے ساتھ یا حرف مدہ "ع" یا "ح" کے ساتھ جمع ہوں، ایسا ہی "ع، ہ" ایک ساتھ آئے، یا "ع، ح" اور "ہ" ایک ساتھ آئے، یا "ع، ح، ہ" مکرر آئیں، یا مشدد ہوں تو ہر ایک کو خوب صاف طور سے ادا کرنا چاہیے، مثل "اِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ، فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ، فَاعِلِیْنَ، یَدْعُوْنَ دُعَآءً، سَبِّحْهُ، عَلٰٓی اَعْقَابِکُمْ، اَحْسَنَ الْقَصَصِ، عَلٰی عَقِبَیْهِ، اَعُوْذُ، عَهِدَ، عَاهَدَ، عٰلَمِیْنَ، طُبِعَ عَلٰی، سَاحِرٍ، سَحَّارٍ، لَاجُنَاحَ عَلَیْکُمْ، مَبْعُوْثُوْنَ، یٰنُوْحُ اهْبِطْ، وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ، لَفِیْ عِلِّیِّیْنَ، جِبَاهُهُمْ"۔

فائدہ: ہمزہ متحرک یا ساکن جہاں ہوں اس کو خوب صاف طور سے پڑھنا چاہیے، اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ہمزہ الف سے بدل جاتا ہے، یا حذف ہوتا ہے، یا صاف طور سے نہیں نکلتا، خصوصاً جہاں دو ہمزہ ہوں وہاں زیادہ خیال رکھنا چاہیے کہ دونوں ہمزہ خوب صاف ادا ہوں، مثل "ءَ اَنْذَرْتَهُمْ".

فائدہ: حرف ساکن کے بعد جب ہمزہ آئے تو اس کا خیال رکھنا چاہیے کہ ساکن کا سکون تام ادا ہو اور ہمزہ خوب صاف ادا ہو، ایسا نہ ہو کہ ہمزہ حذف[1] ہو جائے اور اس کی حرکت سے ماقبل کا ساکن متحرک ہو جائے، جیسا کہ اکثر خیال نہ کرنے سے ایسا ہو جاتا ہے، بلکہ وہ ساکن کبھی مشدد بھی ہو جاتا ہے، مثل "قَدْ اَفْلَحَ، اِنَّ الْاِنْسَانَ" اسی وجہ سے حفص رحمۃ اللہ علیہ کے بعض طرق میں ساکن پر سکتہ[2] کیا جاتا ہے، تاکہ ہمزہ صاف ادا ہو خواہ وہ ساکن اور ہمزہ ایک کلمہ میں ہو یا دو کلمہ میں ہو۔

آٹھویں فصل: حرکات کی ادا کے بیان میں

فتحہ: فتحہ ساتھ انفتاح فم اور صوت کے۔

کسرہ: اور کسرہ ساتھ انخفاض فم اور صوت کے۔

ضمہ: اور ضمہ ساتھ انضمام شفتین کے ظاہر ہوتا ہے، ورنہ اگر فتحہ میں کچھ انخفاض ہوا تو فتحہ مشابہ کسرہ کے ہو جائے گا، اور اگر کچھ انضمام ہو گیا تو فتحہ مشابہ ضمہ کے ہو جائے گا،

---

[1] اس لیے کہ لاپرواہی کی وجہ سے حرف ساکن کے بعد آنے سے ہمزہ حذف ہو جاتا ہے، یا غفلت کی وجہ سے ہمزہ ساکنہ کا حرف مد سے ابدال ہو جاتا ہے، یا حرف متحرک کے بعد بوجہ تساہلی ہمزہ میں تسہیل ہو جاتی ہے، اس وجہ سے خصوصیت کے ساتھ ان کو بیان فرمایا۔ ۱۲/ ابن ضیا۔

[2] اگرچہ معمول بہا نہیں ہے لیکن سکتہ کی غرض یہی ہے جو کتاب میں مذکور ہے، کیوں کہ حرف ساکن کے بعد ہمزہ میں خفا ہو جاتا ہے، جیسا کہ علامہ دانی نے سکتہ کی وجہ "بیانا لا ہمزۃ لخفائہا" بیان فرمائی ہے، ایسے سکتہ کو سکتہ لفظی کہتے ہیں، یہ سکتہ وصل کے حکم میں ہے، اور بروایت حفص رحمۃ اللہ علیہ ضعیف ہے۔ ۱۲/ ابن ضیا۔

ایسا ہی کسرہ میں اگر کامل انخفاض نہ ہوا تو مشابہ فتحہ کے ہو جائے گا، بشرطیکہ انفتاح ہو گیا ہو، اور اگر کچھ انضمام پایا گیا تو کسرہ مشابہ ضمہ کے ہو جائے گا، اور ضمہ میں اگر انضمام کامل نہ ہوا تو ضمہ مشابہ کسرہ کے ہو جائے گا، بشرطیکہ کسی قدر انخفاض ہو گیا ہو، اور اگر کسی قدر انفتاح پایا گیا تو فتحہ کے مشابہ ہو جائے گا۔

فائدہ: فتحہ جس کے بعد الف نہ ہو، اور ضمہ جس کے بعد واؤ ساکن، اور کسرہ جس کے بعد یاء ساکن نہ ہو۔ ان حرکات کو اشباع سے بچانا چاہیے، ورنہ یہی حروف پیدا ہو جائیں گے۔ ایسا ہی ضمہ کے بعد جب واؤ مشدد ہو اور کسرہ کے بعد یاء مشدد ہو، مثل ''عَدُوٌّ، سَوِیٌّ، لُجِّيٍّ'' اس وقت بھی اشباع سے احتراز نہایت ضروری[1] ہے، خصوصاً وقف میں زیادہ خیال رکھنا چاہیے، ورنہ مشدد مخفف[2] ہو جائے گا۔

فائدہ: جب فتحہ کے بعد الف اور ضمہ کے بعد واؤ ساکن غیر مشدد اور کسرہ کے بعد یاء ساکن غیر مشدد ہو تو اس وقت ان حرکات کو اشباع سے ضرور[3] پڑھنا چاہیے، ورنہ یہ حرف ادا نہ ہوں گے۔ خصوصاً جب کئی حرف مدہ قریب قریب جمع ہوں تو زیادہ خیال رکھنا چاہیے، کیوں کہ اکثر خیال نہ کرنے سے کہیں اشباع ہوتا ہے اور کہیں نہیں۔

فائدہ: ''مَجْرِیهَا'' جو سورۂ ہود میں ہے، اصل میں لفظ ''مَجْرٰهَا'' ہے، یعنی ''ر'' مفتوح ہے اور اس کے بعد الف ہے، اس جگہ چوں کہ امالہ ہے، اس وجہ سے فتحہ خالص اور الف خالص نہ پڑھا جائے گا، اور کسرہ اور نہ یاء خالص پڑھی جائے گی، بلکہ فتحہ کسرہ کی طرف اور الف یاء کی طرف مائل کر کے پڑھا جائے گا، جس سے فتحہ کسرہ مجہول کے مانند ہو جائے گا، اور اس کے بعد یاء مجہول ہوگی، اور اس کے سوا اور کہیں امالہ نہیں ہے۔

---

[1] اس لیے کہ تشدید نہ ادا ہونے سے لحن جلی لازم آئے گا جو حرام ہے۔۱۲ ؍ ابن ضیا۔

[2] جیسے "وَتَبَّ" سے "وَتَبُ" وغیرہ، اکثر لوگوں سے یہ غلطی ہو جاتی ہے اور احساس نہیں ہوتا، اس قسم کی غلطی سے لحن جلی لازم آئے گا۔۱۲ ؍ ابن ضیا۔

[3] اس لیے کہ حرف مد نہ ادا ہونے سے لحن جلی ہوگا۔۱۲ ؍ ابن ضیا۔

فائدہ: کسرہ اور ضمہ کلام عرب میں مجہول نہیں بلکہ معروف ہیں اور ادا کی صورت یہ ہے کہ کسرہ میں انخفاض کامل کے ساتھ آواز کسرہ کی باریک نکلے، اور ضمہ میں انضمام شفتین کے ساتھ ضمہ کی آواز باریک نکلے۔

فائدہ: حرکات کو خوب ظاہر کرکے پڑھنا چاہیے، یہ نہ ہو کہ مشابہ سکون کے ہو جائے، ایسا ہی سکون کامل کرنا چاہیے، تاکہ مشابہ حرکت کے نہ ہو جائے، اور اس سے بچنے کی صورت یہ ہے کہ ساکن حرف کی صوت مخرج میں بند[1] ہو جائے اور اس کے بعد ہی دوسرا حرف نکلے، اور اگر دوسرے حرف کے ظاہر ہونے سے پہلے مخرج میں جنبش ہوگئی تو لامحالہ یہ سکون حرکت کے مشابہ ہو جائے گا، البتہ حروف قلقلہ اور ''کاف'' اور ''تاء'' کے مخرج میں جنبش ہوتی ہے، فرق اتنا ہے کہ حروف قلقلہ میں جنبش سختی کے ساتھ ہوتی ہے اور کاف وتاء میں نہایت نرمی کے ساتھ جنبش ہوتی ہے۔

فائدہ: کاف وتاء میں جو جنبش ہوتی ہے اس میں ''ہ'' کی یا ''س'' یا ''ث'' کی بو نہ آنی چاہیے۔

تیسرا باب

پہلی فصل: اجتماع ساکنین کے بیان میں

اجتماع ساکنین کی تقسیم اور اس کا حکم: اجتماع ساکنین یعنی دو ساکن کا اکٹھا ہونا، ایک (۱) علیٰ حدہ، دوسرا (۲) علیٰ غیر حدہ۔

علیٰ حدہ: علیٰ حدہ اس کو کہتے ہیں کہ پہلا ساکن حرف مدہ ہو اور دونوں ساکن ایک کلمہ میں ہوں، مثل ''دَآبَّةٍ، اٰلْئٰنَ'' اور یہ اجتماع ساکنین جائز ہے۔

علیٰ غیر حدہ کا حکم: اور اجتماع ساکنین علیٰ غیر حدہ جائز نہیں، البتہ وقف میں جائز ہے۔

---

[1] لیکن ساکن حرف کی آواز مخرج میں اس طرح نہ بند ہو کہ سکتہ ہو جائے، بلکہ سکون تام ادا کرنے کے بعد فوراً بعد کا حرف ادا ہو جائے۔ ۱۲ / ابن ضیا۔

علیٰ غیر حدہ: اور اجتماع ساکنین علیٰ غیر حدہ اس کو کہتے ہیں کہ پہلا حرف ساکن مدہ نہ ہو، یا دونوں ساکن ایک کلمہ میں نہ ہوں، اب اگر پہلا ساکن حرف مدہ ہے تو اس کو حذف کردیں گے، مثل "وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ، عَلٰی اَنْ لَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا، وَقَالُوا الْاٰنَ، فِی الْاَرْضِ، تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ، وَاسْتَبَقَا الْبَابَ، وَقَالَا الْحَمْدُ، فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَۃَ".

تحریک بوقت اجتماع ساکنین: اگر پہلا ساکن حرف مدہ نہ ہو تو اس کو حرکت کسرہ کی دی جائے گی، مثل "اِنِ ارْتَبْتُمْ، وَاَنْذِرِ النَّاسَ، مِمَّا لَمْ یُذْکَرِ اسْمُ اللّٰهِ، بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ" مگر جب پہلا ساکن میم جمع ہو تو ضمہ دیا جائے گا، مثل "عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ، عَلَیْهِمُ الْقِتَالُ" اور "من" جو حرف جر ہے، اس کے بعد جب کوئی حرف ساکن آئے گا تو نون مفتوح پڑھا جائے گا جیسے "مِنَ اللّٰهِ" ایسا ہی میم "الٓمٓ اَللّٰهُ" کی وصل میں مفتوح پڑھی جائے گی۔

فائدہ: "بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ" جو سورۂ حجرات میں ہے اس میں "بِئْسَ" کے بعد لام مکسور اس کے بعد سین ساکن ہے، اور لام کے قبل اور بعد جو ہمزہ ہے وہ ہمزۂ وصلی ہے، اس وجہ سے حذف کیے جائیں گے، اور لام کا کسرہ بسبب اجتماع ساکنین کے ہے۔

فائدہ: کلمہ منونہ یعنی جس کلمہ کے اخیر حرف پر دوزبر یا دوزیر یا دوپیش ہوں تو وہاں پر ایک نون ساکن پڑھا جاتا ہے اور لکھا نہیں جاتا، اس کو نون تنوین کہتے ہیں یہ تنوین وقف میں حذف کی جاتی ہے مگر دو زبر ہوں تو اس تنوین کو الف سے بدلتے ہیں "قَدِیْرٌ، بِرَسُوْلٍ، وَبَصِیْرًا" اور وصل میں جب اس کے بعد ہمزہ وصلی ہو تو ہمزہ وصلی حذف ہو جائے گا اور یہ تنوین بسبب اجتماع ساکنین علیٰ غیر حدہ کے مکسور پڑھی جائے گی، اور اکثر جگہ خلاف قیاس چھوٹا نون لکھ دیتے ہیں، مثل "بِزِیْنَةِ نِ الْکَوَاکِبِ، خَیْرَ نِ الْوَصِیَّةُ، خَبِیْثَةِ نِ اجْتُثَّتْ، طُوًی نِ اذْهَبْ".

فائدہ: تنوین سے ابتدا کرنا یا دہرانا درست نہیں[1]۔

---

[1] اسی طرح تنوین پر وقف بھی کرنا جائز نہیں، لیکن چوں کہ لفظ "کَاَیِّنْ" کی تنوین مصحف میں مرسوم ہے، اس لیے اس نون تنوین پر وقف ثابت ہے، اس لفظ سے بروایت حفص وقف کی حالت میں تنوین حذف کرنا جائز نہیں۔ ۱۲/ ابن ضیا۔

دوسری فصل: مد کے بیان میں

مد دو قسم پر ہے: (۱) اصلی اور (۲) فرعی۔

مد اصلی: اس کو کہتے ہیں کہ حروف مدہ کے بعد نہ سکون ہو نہ ہمزہ ہو۔

مد فرعی: اس کو کہتے ہیں کہ حروف مدہ کے بعد سکون یا ہمزہ ہو۔

مد فرعی کی قسمیں: اور یہ چار قسمیں ہیں:

(۱) متصل اور (۲) منفصل (۳) لازم اور (۴) عارض۔

مد متصل: یعنی حرف مدہ کے بعد اگر ہمزہ آئے اور ایک کلمہ میں ہو تو اس کو مد متصل کہتے ہیں۔

مد منفصل: اور اگر ہمزہ دوسرے کلمہ میں ہو تو اس کو مد منفصل کہتے ہیں، مثل "جَآءَ، جِیْٓءَ، سُوْٓءَ، فِیْٓ اَنْفُسِکُمْ، قَالُوْٓا اٰمَنَّ، مَآ اُنْزِلَ".

مد عارض وقفی: حرف مد کے بعد جب سکون وقفی ہو، مثل "رَحِیْم، تَعْلَمُوْنَ، تُکَذِّبٰنِ" کے تو اس کو مد عارض کہتے ہیں، اور اس میں طول، توسط، قصر تینوں جائز ہیں۔

مد لازم کی تعریف اور اس کی تقسیم: اور جب حرف مدہ کے بعد ایسا سکون ہو کہ کسی[1] حالت میں حرف مدہ سے جدا نہ ہو سکے اس کو لازم کہتے ہیں، اور یہ چار قسم ہے، اس واسطے کہ اگر حرف مدہ حروف مقطعات میں ہو تو (۱) حرفی کہتے ہیں، ورنہ (۲) کلمی کہیں گے، پھر ہر ایک کلمی اور حرفی دو قسم ہے۔ (۳) مثقل اور (۴) مخفف، اگر حرف مدہ کے بعد مشدد حرف ہے تو مثقل کہیں گے اور اگر محض سکون ہے تو مخفف ہوگی، مد لازم حرفی مثقل اور مد لازم حرفی مخفف کی مثال "الٓمٓ، الٓرٰ، الٓمٓرٰ، کٓھٰیٰعٓصٓ، حٰمٓ، عٓسٓقٓ، حٰمٓ، طٰسٓمٓ، نٓ، صٓ، قٓ" اور مد لازم کلمی مثقل کی مثال "دَآبَّةً" اور

---

[1] یعنی وصلاً اور وقفاً دونوں حالتوں میں پڑھا جاتا ہے، جیسے "الٓمٓ ذٰلِكَ" لیکن جس وقت اجتماع ساکنین کی وجہ سے پہلا سکون نہ پڑھا جائے گا تو حرکت عارض ہوگی، اس سے سکون کا عارض سمجھنا غلطی ہے، جیسے "الٓمٓ اَللّٰہُ" اس میں سکون لازم ہی کی وجہ سے میم کے یاء میں طول اولیٰ ہے، اور حرکت عارضی کا خیال کر کے قصر بھی جائز ہے۔ ۱۲ / ابن ضیا۔

مدلازم کلمی مخفف کی مثال ''آٰلْئٰنَ''۔

مد لین: اور جب ''واوٗ'' یا ''یا'' ساکن کے پہلے فتحہ ہواور اس کے بعد ساکن حرف ہوتو اس کو مدلین کہتے ہیں۔

مد لین عارض کی مقدار: اور اس میں قصر، توسط، طول تینوں جائز ہیں۔

مد لین لازم کی مقدار: اور عین مریم اور عین شوریٰ میں قصر نہایت ضعیف ہے، اور طول افضل اور اولیٰ ہے۔

فائدہ: سورۂ آل عمران کا ''الٓمٓ اَللّٰہُ'' وصل کی حالت میں میم ساکن اجتماع ساکنین علیٰ غیر حدہ کی وجہ سے مفتوح پڑھی جائے گی، اور اللہ کا ہمزہ نہ پڑھا جائے گا، اور میم میں مدلازم ہے اس وجہ سے وصل میں طول اور قصر دونوں جائز ہیں۔

فائدہ: حرف مدہ جب موقوف ہو اس کا خیال رکھنا چاہیے کہ ایک الف سے زائد نہ ہو جائے، دوسرے یہ کہ بعد حرف مدہ کے ہاء یا ہمزہ نہ زائد ہو جائے، مثل ''قَالُوْا، فِیْ، مَالَا'' جیسا کہ اکثر خیال نہ کرنے سے ہو جاتا ہے۔

تیسری فصل: مقدار[۱] اور اوجہ مد[۲] کے بیان میں

مد عارض اور مدلین عارض میں تین وجہ ہیں، طول، توسط، قصر۔ فرق اتنا ہے کہ مد عارض میں ''طول اولیٰ'' ہے۔ اس کے بعد ''توسط'' اس کے بعد ''قصر'' کا مرتبہ ہے۔ بخلاف مدلین عارض کے، کہ اس میں پہلا مرتبہ ''قصر[۳]'' کا ہے، اس کے بعد ''توسط'' کا،

---

[۱] جس ادا کے ذریعہ مد کا اندازہ کیا جائے اس کو مقدار کہتے ہیں، مثلاً طول کی مقدار کشش تین الف اور پانچ الف ہے، پس اسی اندازہ کے ساتھ ادا کرنے کا نام مقدار ہے۔ ۱۲/ابن ضیا۔

[۲] اوجہ جمع وجہ کی ہے، یہاں وجہ کا اطلاق طول پر توسط پر قصر پر ہوگا، اور تینوں کو وجوہ یا اوجہ کہیں گے، قصر داخل فی الوجہ ہے، لیکن مد فرعی سے خارج ہے، اس لیے کہ قصر ترک مد کا نام ہے، لیکن مقدار طبعی میں بلا ثبوت کمی بیش کرنا حرام ہے، اور کیفیت مد دو ہیں ''طول'' اور ''توسط'' بلا ثبوت طول کی جگہ توسط اور توسط کی جگہ طول کرنا جائز نہیں۔ ۱۲/ابن ضیا۔

[۳] لیکن مدہ سے لین کا قصر لم ہوگا، اس لیے کہ مدہ زمانی اور حرف لین قریب آنی ہے۔ ۱۲/ابن ضیا۔

اس کے بعد ’’طول‘‘ کا۔ اب معلوم کرنا چاہیے کہ مقدار طول کی کیا ہے۔

مقدار طول، توسط اور قصر: طول کی مقدار تین الف ہے، اور توسط کی مقدار دو الف۔ اور ایک قول میں طول کی مقدار پانچ الف، اور توسط کی مقدار تین الف ہے۔ اور قصر کی مقدار دونوں قول میں ایک ہی الف ہے۔

فائدہ: اقسام مدلازم کا حکم: مدلازم کی چاروں قسموں میں طول علی التساوی ہوگا، اور بعض کے نزدیک مثقل میں زیادہ مد ہے، اور بعض کے نزدیک مخفف[۱] میں زیادہ مد ہے، مگر جمہور کے نزدیک تساوی ہے۔

فائدہ: حرف موقوف مفتوح کے قبل جب حرف مدہ یا حرف لین ہو مثلاً ’’عَالَمِیْنَ، لَاضَیْرَ‘‘ تو تین وجہ وقف میں ہوں گی، (۱) طول مع الاسکان (۲) توسط مع الاسکان (۳) قصر مع الاسکان۔ اور اگر حرف موقوف مکسور ہے تو وجہ عقلی چھ نکلتی ہیں، اس میں سے چار جائز ہیں۔ (۱) طول (۲) توسط (۳) قصر مع الاسکان (۴) قصر مع الروم۔ اور (۵) طول (۶) توسط مع الروم غیر جائز ہے، اس لیے کہ مد کے واسطے بعد حرف مد کے سکون چاہیے اور روم کی حالت میں سکون نہیں ہوتا بلکہ حرف متحرک ہوتا ہے۔

اور اگر حرف موقوف مضموم ہے، مثل ’’نَسْتَعِیْنُ‘‘ کے تو ضربی عقلی وجہیں نو ۹ رہیں: (۱) طول (۲) توسط (۳) قصر مع الاسکان (۴) طول (۵) توسط (۶) قصر مع الاشمام (۷) قصر مع الروم، یہ سات وجہیں جائز ہیں۔ (۸) طول (۹) توسط مع الروم غیر جائز ہیں، جیسا کہ پہلے معلوم ہو چکا۔

فائدہ: اجتماع مدود کا حکم: جب مد عارض یا مد لین کئی جگہ ہوں تو ان میں تساوی اور توافق کا خیال رکھنا چاہیے، یعنی ایک جگہ مد عارض میں طول کیا ہے تو دوسری جگہ بھی طول کیا جائے، اگر توسط کیا ہے تو دوسری جگہ بھی توسط کرنا چاہیے، اگر قصر کیا ہے

---

[۱] اس لیے کہ حرف مد کے بعد ساکن حرف کو معاً متحرک نہیں پڑھنا ہوتا، بخلاف مدلازم مثقل کے کہ حرف مد کے بعد سکون پڑھ کر فوراً متحرک پڑھنا ہوتا ہے۔ ۱۲/ ابن ضیا۔

تو دوسری جگہ بھی قصر کرنا چاہیے، ایسا ہی مدلین میں بھی جب کئی جگہ ہوں تو توافق ہونا چاہیے، اور جیسا کہ طول، توسط میں توافق ہونا چاہیے، ایسا ہی مقدار طول، توسط میں بھی توافق ہونا چاہیے۔ مثلاً ''اَعُوْذُ اور بَسْمَلَہْ سے رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ'' تک فصل کل کی حالت میں ضربی وجہیں اڑتالیس[۱] نکلتی ہیں، اس طرح پر کہ ''رَجِیْمِ'' کے اوجہ ثلاثہ مع الاسکان اور قصر مع الروم کو ''رَجِیْمِ'' کے مدود ثلاثہ اور قصر مع الروم میں ضرب دینے سے سولہ وجہیں ہوتی ہیں، اور ان سولہ کو ''اَلْعٰلَمِیْنَ'' کے اوجہ ثلاثہ میں ضرب دینے سے اڑتالیس وجہیں ہونی ہیں، جن میں چار بالاتفاق جائز ہیں، یعنی ''رَجِیْمِ، رَجِیْمِ، اَلْعٰلَمِیْنَ'' میں طول مع الاسکان، توسط مع الاسکان، قصر مع الاسکان۔ ''رَجِیْمِ، رَجِیْمِ'' میں قصر مع الروم اور ''اَلْعٰلَمِیْنَ'' میں قصر مع الاسکان، اور بعض نے ''رَجِیْمِ، رَجِیْمِ'' کے قصر مع الروم کی حالت میں ''اَلْعٰلَمِیْنَ'' میں طول، توسط کو[۲] جائز رکھا ہے، باقی بیالیس وجہیں بالاتفاق غیر جائز ہیں۔

اور فصل اولیٰ وصل ثانی کی صورت میں عقلی وجہیں بارہ نکلتی ہیں، اس طرح پر کہ ''رَجِیْمِ'' کے مدود ثلاثہ اور قصر مع الروم کو ''اَلْعٰلَمِیْنَ'' کے اوجہ ثلاثہ میں ضرب دینے

[۱] ان وجھوں کو اس وجہ سے بیان فرمایا تا کہ کوئی شخص وجوہ ثلثہ کو مد عارض اور مدلین عارض میں یا کئی مدود عارض میں ضرب دے کر سب وجھوں کو بلا مساوات نہ پڑھنے لگے، یا پڑھنے میں ترجیح بلا مرجح نہ لازم آئے، اس وجہ سے تمام وہ وجوہ جو ضرب سے پیدا ہوتی ہیں، ان کو بتانے کے خیال سے نکال کر جاری کراتے ہیں، چنانچہ بطریق تمثیل تین موقوف علیہ کے وجوہ ضربی عقلی اڑتالیس بیان فرمائے ہیں، ان وجوہ کو نکالنے کے وقت وجوہ غیر صحیح اور عدم مساوات اور ترجیح کی طرف ہرگز ذہن کو متبادر نہ ہونا چاہیے، ورنہ وجوہ سمجھ میں نہ آئیں گے، کیوں کہ عقلاً جس قدر وجہیں نکل سکتی ہیں، ضرورۃً ان کا اس وقت اظہار ضروری ہے، تا کہ ان میں سے وجوہ صحیح اور غیر صحیح میں امتیاز ہو جائے۔ ۱۲/ ابن ضیا عفی عنہ الہ آبادی۔

[۲] اس وجہ سے کہ تساوی اور توافق نوع واحد میں شرط ہے، چاہے باعتبار محل مد کے ہو یا باعتبار کیفیت وقف ہو، چوں کہ "رَجِیْمِ، رَجِیْمِ" میں بحالت روم توافق نہ رہا، اس وجہ سے باوجود عدم تساوی کے "اَلْعٰلَمِیْنَ" میں طول، توسط کو بعض نے جائز رکھا ہے۔ ۱۲/ ابن ضیا۔

سے بارہ وجہیں ہوتی ہیں، ان میں چار وجہیں بالاتفاق جائز ہیں (۱) طول مع الطّول مع الاسکان (۲) توسط مع التوسط مع الاسکان (۳) قصر مع القصر مع الاسکان (۴) قصر مع الروم مع القصر بالاسکان۔ اور (۵) قصر مع الروم مع التوسط بالاسکان۔ (۶) اور قصر مع الروم مع الطّول بالاسکان۔ یہ دو وجہیں مختلف فیہ ہیں، باقی وجہیں بالاتفاق غیر[1] جائز۔ اور وصل اول فصل ثانی میں بھی بارہ وجہیں عقلی نکلتی ہیں، اور ان میں چار صحیح ہیں، اور دو مختلف فیہ ہیں، اور اس صورت میں جو وجہیں نکلتی ہیں وہ بعینہٖ مثل فصل اول وصل ثانی کے ہیں، اس وجہ سے نہیں بیان کی گئیں۔ اور وصل کل کی حالت میں "اَلْعٰلَمِیْنَ" کے مدود ثلاثہ۔ خلاصہ یہ ہوا کہ استعاذہ اور بسملہ میں پندرہ[2] یا اکیس[3] وجہیں صحیح ہیں۔

فائدہ: یہ وجہیں جو بیان کی گئی ہیں اس وقت ہیں کہ "اَلْعٰلَمِیْنَ" پر وقف کیا جائے، اور اگر "اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ" یا "یَوْمِ الدِّیْنِ" یا "نَسْتَعِیْنُ" پر وقف کیا جائے گا، یا کہیں وصل اور کہیں وقف کیا جائے گا تو بہت سی وجہیں ضربی نکلیں گی۔

وجہ صحیح معلوم کرنے کا طریقہ: اور ان میں وجہ صحیح نکالنے کا طریقہ یہ ہے کہ (۱) جس وجہ سے ضعیف کو قوی پر ترجیح ہو جائے، یا (۲) مساوات نہ رہے، یا (۳) اقوال مختلفہ میں خلط ہو جائے، تب یہ وجہ غیر صحیح ہوگی۔

فائدہ: جب مد عارض اور مد لین عارض جمع ہوں تو اس وقت عقلی وجہیں کم از کم نو ۹ ر نکلتی ہیں، اب اگر مد عارض مقدم ہے لین پر، مثلاً "مِنْ جُوْعٍ، وَمِنْ خَوْفٍ" تو چھ وجہیں جائز ہیں، یعنی (۱) طول مع الطّول (۲) طول مع التوسط (۳) طول مع القصر

---

[1] اس وجہ سے کہ عدم مساوات لازم آئے گا۔ ۱۲ر ابن ضیا۔

[2] چار فصل کل میں، چار فصل اول وصل ثانی میں، چار وصل اول فصل ثانی میں اور تین وصل کل کی صورت میں، اس طرح پندرہ وجہیں جائز ہیں۔ ۱۲ر ابن ضیا۔

[3] یعنی پندرہ وجوہ متفقہ اور چھ مختلفہ جو تین صورتوں میں دو دو بیان کی گئی ہیں۔ ۱۲ر ابن ضیا۔

(۴) توسط مع التوسط (۵) توسط مع القصر (۶) قصر مع القصر۔ اور تین وجہیں غیر جائز[1] ہیں، یعنی (۱) توسط مع الطّول (۲) قصر مع التوسط (۳) قصر مع الطّول۔

اور جب مد لین مقدم ہو مثل ”لَا رَیْبَ فِیْهِ هُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ“ تو اس وقت بھی نو ۹/ وجہیں نکلتی ہیں، اس میں سے چھ وجہیں جائز ہیں، یعنی (۱) قصر مع القصر (۲) قصر مع التوسط (۳) قصر مع الطّول (۴) توسط مع الطّول (۵) توسط مع التوسط (۶) طول مع الطّول۔ اور (۱) طول مع التوسط اور (۲) طول مع القصر اور (۳) توسط مع القصر، یہ تین غیر جائز ہیں، اور یہ وجہیں غیر جائز اس وجہ سے ہیں کہ حروف مدہ میں مد اصل قوی ہے، اور حرف لین میں جو مد ہوتا ہے وہ تشبیہ[2] کی وجہ سے ہوتا ہے، اس وجہ سے حرف لین میں مد ضعیف ہے اور ان صورتوں میں ترجیح ضعیف کی قوی پر ہوتی ہے اور یہ غیر جائز ہے، اور اگر موقوف علیہ میں بسبب اختلاف حرکات کے روم واشمام جائز ہو تو اس میں اور وجہیں زائد پیدا ہوں گی، اس میں بھی مساوات اور ترجیح کا خیال رکھنا چاہیے، مثل ”مِنْ جُوْعٍ، وَمِنْ خَوْفٍ“[3]۔

فائدہ: مقدار مد متصل ومنفصل: مد متصل اور منفصل کی مقدار میں کئی قول ہیں، دو الف، ڈھائی الف، چار الف۔ اور منفصل میں قصر بھی جائز ہے، ان اقوال میں جس پر جی چاہے عمل کیا جائے گا، مگر اس کا خیال رکھنا چاہیے کہ مد متصل جب کئی جگہ ہوں تو جس قول کو پہلی جگہ لیا ہے وہی دوسری تیسری جگہ رہے، مثلاً ”وَالسَّمَآءَ، بِنَـآءً“ میں، اگر اقوال کو ضرب دیا جائے تو نو وجہیں ہوتی ہیں، اور ان میں سے تین وجہ

---

[1] اس لیے کہ ترجیح بلا مرجح لازم آئے گی۔ ۱۲/ ابن ضیا۔

[2] یعنی صلاحیت مد کی وجہ سے مد ہوتا ہے، ورنہ اصلاً حرف لین حرف مد نہیں ہے، لیکن اگر حرف لین میں صفت لین نہ ادا کی جائے، یا حرف لین کو سخت کر دیا جائے، تو حرف بھی غلط ہوگا اور مد بھی نہ ہو سکے گا۔ ۱۲/ ابن ضیا۔

[3] یہ مثالیں وقف بالروم کی ہیں، اور وقف بالاشمام کی مثال ”اِنَّهٗ عَلٰی ذٰلِكَ لَشَهِیْدٌ، وَاِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَیْرِ لَشَدِیْدٌ“ ہے۔ ۱۲/ ابن ضیا۔

مساوات کی ہیں وہ صحیح ہیں، باقی چھ وجہیں غیر صحیح ہیں، ایسا ہی جب مد منفصل کئی جمع ہوں تو ان میں بھی اقوال کو خلط نہ کرے، مثلاً "لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ" اس میں بھی یہ نہ چاہیے کہ پہلی جگہ ایک قول لے دوسری جگہ دوسرا قول لیا جائے، بلکہ مساوات کا خیال رکھنا چاہیے[1]۔

فائدہ: اجتماع مد منفصل ومتصل: جب مد منفصل اور متصل جمع ہوں اور مثلاً منفصل مقدم ہو متصل پر، مثل "هٰٓؤُلَآءِ" کے، تو جائز ہے منفصل میں قصر، اور دو الف، اور متصل میں دو الف، ڈھائی الف، چار الف۔ اور جب منفصل میں ڈھائی الف مد کیا جائے متصل میں ڈھائی الف، چار الف مد جائز ہے، اور دو الف غیر جائز ہے، اس واسطے کہ متصل منفصل سے اقویٰ ہے، اور ترجیح ضعیف کی قوی پر غیر جائز ہے۔ اور جب منفصل میں چار الف مد کیا تو متصل میں صرف چار الف مد ہوگا، اور ڈھائی الف، دو الف اس صورت میں غیر جائز ہوگا، وجہ وہی رجحان[2] کی ہے۔

اور جب مد متصل منفصل پر مقدم ہو، مثل "جَآءُوْٓ اَبَاهُمْ" تو اگر متصل میں چار الف مد کیا تو منفصل میں چار الف، ڈھائی الف، دو الف اور قصر جائز ہے، اور اگر ڈھائی الف مد کیا ہے تو منفصل میں ڈھائی الف، دو الف اور قصر جائز ہے، اور چار الف غیر جائز ہے، ایسا ہی اگر متصل میں دو الف مد کیا ہے تو منفصل میں صرف دو الف اور

---

[1] اسی طرح ان مدود میں لغرض الاعلان بھی کہیں دو، کہیں ڈھائی، کہیں چار الف نہ پڑھنا چاہیے، اس لیے کہ ان میں خلف واجب ہے، جس کا حکم یہ ہے کہ جس سے جس طرح ثابت ہو اسی طرح پڑھنا چاہیے، بخلاف مد عارض کے کہ اس میں کل قراء سے تینوں وجہیں طول، توسط، قصر ثابت ہے، ایسے اختلاف کو خلاف جائز کہتے ہیں، البتہ افہام اور تفہیم کے لیے جس طرح کتاب میں بیان کیا گیا ہے اسی طرح لکھ کر مقدار ضربی سے وجہ صحیح اور غیر صحیح نکال کر سمجھ لیا جائے، اور اگر متصل منفصل ایک جگہ آئے اور ان میں مساوات نہ رہے تو کوئی حرج نہیں، لیکن متصل پر منفصل کو ترجیح نہ دینا چاہیے، اس لیے کہ متصل منفصل سے قوی ہے۔ ۱۲ر ابن ضیا۔

[2] یعنی ترجیح لازم آئے گی۔ ۱۲ر ابن ضیا۔

قصر ہوگا، اور ڈھائی اف، چار الف مدنہ[1] ہوگا۔

فائدہ: جب متصل منفصل کئی جمع ہوں، مثل "بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ" تو انھیں قواعد پر قیاس کر کے وجہ صحیح غیر صحیح نکال لی جائے۔

فائدہ: مد متصل وقفی: جب متصل کا ہمزہ اخیر کلمہ میں واقع ہو اور اس پر وقف اسکان یا اشمام کے ساتھ کیا جائے، مثل "يَشَآءُ، قُرُوٓءٍ، نَسِیٓءَ" تو اس وقت میں طول بھی جائز ہے، اور سکون کی وجہ سے قصر جائز نہ ہوگا، اس واسطے کہ اس صورت میں سبب اصلی کا الغا اور سبب عارضی کا اعتبار لازم آتا ہے اور یہ غیر جائز ہے، اور اگر وقف بالروم کیا ہے تو صرف توسط[2] ہوگا۔

فائدہ: خلاف جائز[3] سے جو وجہیں نکلتی ہیں مثل اوجہ بسملہ وغیرہ کے، ان میں سب جہوں کا ہر جگہ پڑھنا معیوب ہے، اس قسم کی وجہوں میں ایک وجہ کا پڑھنا کافی ہے، البتہ افادہ کے لحاظ سے سب وجہوں کا ایک جگہ جمع کر لینا معیوب نہیں۔

فائدہ: اس فصل میں جو غیر جائز اور غیر صحیح کہا گیا ہے، مراد اس سے غیر اولیٰ ہے، قاری ماہر کے واسطے معیوب ہے۔

فائدہ: خلط کا حکم: اختلاف مرتب میں خلط کرنا، یعنی ایک لفظ کا اختلاف دوسرے پر موقوف ہو، مثلاً "فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ" اس میں "اٰدمُ" کو مرفوع پڑھیں تو "کلمات" کو منصوب پڑھنا ضروری ہے، ایسا ہی بالعکس[4] ایسے اختلاف کے موقع پر خلط بالکل حرام ہے، اور اگر ایک روایت کا التزام کر کے پڑھا اور اس میں

---

[1] تاکہ ترجیح لازم نہ آئے۔۱۲/ابن ضیا۔

[2] روم اگرچہ از قسم وقف ہے، لیکن حکم میں وصل کے ہے، اس وجہ سے صرف مد متصل کا توسط ہوگا۔۱۲/ابن ضیا۔

[3] یعنی جن مختلف فیہ وجہوں پر کل قراء کا اتفاق ہو مثل کیفیت وقف اسکان، اشمام، روم، یا مد عارض کے وجوہ ثلثہ وغیرہ، اس میں کسی ایک وجہ کا پڑھنا کافی ہے۔۱۲/ابن ضیا۔

[4] لیکن بروایت حفص رحمۃ اللہ علیہ یہ عکس جائز نہیں۔۱۲/ابن ضیا۔

دوسرے کو خلط کر دیا تو کذب فی الروایت لازم آئے گا، اور علیٰ حسب التلاوۃ خلط جائز ہے، مثلاً حفص رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں دو طریق مشہور ہیں، ایک امام شاطبی رحمۃ اللہ علیہ، دوم جزری رحمۃ اللہ علیہ تو ان میں خلط کرنا اس لحاظ سے کہ دونوں وجہ حفص رحمۃ اللہ علیہ سے ثابت ہیں، کچھ حرج[1] نہیں۔ خصوصاً جب ایک وجہ عوام میں شائع ہوگئی ہو اور دوسری وجہ مشہور ثابت عند القراء متروک[2] ہوگئی ہو، تو ایسی صورت میں لکھنا پڑھنا پڑھانا نہایت ضروری ہے، متاخرین کے اقوال و آراء میں خلط کرنا چنداں مضائقہ[3] نہیں۔

چوتھی فصل: وقف کے احکام میں

وقف کی تعریف: وقف کے معنی اخیر کلمہ غیر موصولہ پر سانس کا توڑنا۔

محل ابتدا و اعادہ: اب اگر وہاں پر کوئی آیت ہے یا کوئی وقف اوقاف معتبرہ سے ہے تو بعد کے کلمہ سے ابتدا کرے، ورنہ جس کلمہ پر سانس توڑے اس کو اعادہ کرے۔

وسط کلمہ سے متعلق وقف ابتدا و اعادہ کا حکم: اور وسط کلمہ پر اور ایسا ہی جو کلمہ دوسرے کلمہ سے موصول ہو اس پر وقف جائز نہیں، ایسا ہی ابتدا اور اعادہ بھی جائز نہیں۔

وقف بالسکون: اب معلوم ہونا چاہیے کہ جس کلمہ پر سانس توڑنا چاہتا ہے، اگر وہ پہلے سے ساکن ہے تو محض وہاں پر سانس توڑ دیں گے۔ اور اگر وہ کلمہ اصل میں ساکن

---

[1] جب کہ التزام طرق مقصود نہ ہو، اور اگر التزام طریق ہو یعنی یہ خیال کر کے پڑھے کہ ہم فلاں طریق سے پڑھیں گے تو اس صورت میں خلط کرنا درست نہیں، مثلاً بطریق شاطبی منفصل میں قصر نہیں ہے، تو طریق شاطبی سے پڑھنے والوں کے لیے قصر جائز نہیں، کیوں کہ کذب فی الطرق لازم آئے گا۔ ۱۲/ ابن ضیا۔

[2] یعنی جو وجہ قراء سے ثابت ہو اور عوام نے پڑھنا پڑھانا ترک کر دیا ہو ایسی وجھوں کی بابت حکم بیان فرمایا ہے۔ ۱۲/ ابن ضیا۔

[3] یعنی جب کہ التزام طرق مقصود نہ ہو تو اختلاط طرق اور خلط فی الاقوال جائز ہے، جیسا کہ کتاب میں مذکور ہے۔ ۱۲۔

ہے مگر حرکت اس کو عارض ہوگئی ہے، تب بھی وقف محض اسکان کے ساتھ ہوگا، مثل "عَلَیۡھِمُ الذِّلَّۃُ، وَاَنۡذِرِ النَّاسَ".

وقف بالابدال: اور اگر وہ حرف موقوف متحرک ہے تو اس کے اخیر میں "تا" بصورت "ہا" ہوگی یا نہیں۔ اگر "تا" بصورت "ہا" ہے تو وقف میں اس تاء کو ہائے ساکنہ سے بدل دیں گے مثل "رَحۡمَۃٌ، نِعۡمَۃٌ" اور اگر ایسا نہ ہو تو آخر حرف پر اگر دو زبر ہیں تو تنوین کو الف سے بدل دیں گے، مثل "سَوَآءً، ھُدًی".

اور اگر حرف موقوف پر ایک زبر ہے تو وقف صرف اسکان کے ساتھ ہوگا، مثل "یَعۡلَمُوۡنَ" کے، اور اگر اخیر حرف پر ایک پیش یا دو پیش ہوں، مثل "وَبَرۡقٌ، یَفۡعَلُ" تو وقف اسکان اور اشمام اور روم تینوں سے جائز ہے۔

اشمام کی تعریف: اشمام کے معنی ہیں حرف کو ساکن کر کے ہونٹوں کو ضمہ کی طرف اشارہ کرنا۔

روم کی تعریف: اور روم کے معنی ہیں حرکت کو خفی صوت سے ادا کرنا، اور اگر اخیر حرف پر ایک زیر یا دو زیر ہوں، مثل "ذُوۡ اِنۡتِقَامٍ، وَلَا فِی السَّمَآءِ" تو وقف میں اسکان اور روم دونوں جائز ہیں۔

فائدہ: روم اور اشمام اسی حرکت پر ہوگا جو کہ اصلی ہوگی، اور اگر حرکت عارض ہوگی تو روم واشمام جائز نہ ہوگا[1] مثل "اَنۡذِرِ الَّذِیۡنَ، عَلَیۡکُمُ الصِّیَامَ".

فائدہ: روم کی حالت میں تنوین حذف ہوجائے گی، جیسا کہ "ھا" ضمیر کا صلہ وقف بالروم اور بالاسکان میں حذف ہوتا ہے، مثل "بِہٖ، لَہٗ" کے۔

فائدہ: "اَلظُّنُوۡنَا" اور "اَلرَّسُوۡلَا" اور "اَلسَّبِیۡلَا" جو سورۂ احزاب میں ہے اور

---

[1] اس لیے کہ سکون اصلی مانع روم واشمام ہے، لفظ "اَنۡذِرۡ" میں "راء" کا زیر اور "عَلَیۡکُمۡ" کو "میم" کا پیش یہ حرکت عارضی اجتماع ساکنین کی وجہ سے ہے۔ ۱۲/ ابن ضیا۔

پہلا ''قَوَارِیْرَا'' جو سورۂ دہر میں ہے، اور ''اَنَا'' جو ضمیر مرفوع منفصل ہے، ایسے ہی ''لٰکِنَّا'' جو سورۂ کہف میں ہے، اِن کے آخر کا الف وقف میں پڑھا جائے گا اور وصل میں نہیں پڑھا جائے گا، اور ''سلاسلا'' جو سورۂ دہر میں ہے، جائز ہے وقف کی حالت میں اثبات الف اور حذف الف۔

فائدہ: مراتب اوقاف: آیات پر وقف کرنا زیادہ احب اور مستحسن ہے، اور ان کے بعد جہاں (م) لکھی ہو، اور اس کے بعد جہاں (ط) لکھی ہو، اور اس کے بعد جہاں (ج) لکھی ہو، اس کے بعد جہاں (ز) لکھی ہو، اولیٰ کو غیر اولیٰ پر ترجیح نہ دینا چاہیے، یعنی آیت کو چھوڑ کر غیر آیت پر وقف کرنا، یا ''م'' کی جگہ وصل کر کے ''ط'' وغیرہ پر وقف کرنا، بلکہ ایسا انداز رکھے کہ جب سانس توڑے تو آیت پر یا ''م، ط'' پر، بعض کے نزدیک جس آیت کو مابعد سے تعلق لفظی ہو تو وہاں پر وصل اولیٰ ہے فصل سے، اور وصل کی جگہ صرف وقف یا وقف کی جگہ صرف وصل کرنے سے معنی نہیں بدلتے، اور محققین کے نزدیک نہ گناہ نہ کفر ہے، البتہ قواعد عرفیہ[1] کے خلاف ہے، جن کا اتباع کرنا نہایت ضروری ہے، تاکہ ایہام معنی غیر مراد لازم نہ آئے، ایسا ہی اعادہ میں بھی لحاظ رکھنا چاہیے۔

اعادہ قبیح کا حکم: بعض جگہ اعادہ نہایت قبیح ہوتا ہے، جیسے کہ وقف کہیں حسن کہیں احسن کہیں قبیح کہیں اقبح ہوتا ہے، ایسا ہی اعادہ کی بھی چار قسم ہے، تو جہاں سے اعادہ حسن یا احسن ہو وہاں سے کرنا چاہیے، ورنہ اعادہ قبیح سے ابتدا بہتر ہے، مثلاً ''قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰہَ فَقِیْرٌ'' سے اعادہ حسن ہے، اور ''اِنَّ اللّٰہَ'' سے قبیح ہے۔

فائدہ: تمام اوقاف پر سانس توڑنا باوجود دَم ہونے کے ایسا نہ چاہیے، قاری کی مثال مثل مسافر اور اوقاف کو مثل منازل کے لکھتے ہیں، تو جب ہر منزل پر بلا ضرورت ٹھہرنا

---

[1] یعنی جن قواعد کی پابندی عرفا ضروری ہے کہ اگر اس کے خلاف کیا جائے تو غلط پڑھنے والا قابل ملامت ہے، یہاں پر اس سے مراد قواعد عربیہ ہیں۔۱۲ ابن ضیا۔

فضول اور وقت کو ضائع کرنا ہے، تو ایسا ہی ہر جگہ وقف کرنا فعل عبث ہے، جتنی دیر وقف کرے گا اتنی دیر میں ایک دو کلمہ ہو جائیں گے، البتہ لازم[1] مطلق پر اور ایسے ہی جس آیت کو مابعد سے تعلق لفظی نہ ہو ایسی جگہ وقف کرنا ضروری اور مستحسن ہے، اور کلمہ کو محض ساکن کرنا یا اور جو احکام وقف کے ہیں ان کو کرنا بلا سانس توڑے، اس کو وقف نہیں کہتے یہ سخت غلطی ہے۔

فائدہ: کلمات میں تقطیع[2] اور سکتات نہ ہونا چاہیے، خصوصاً سکون پر، البتہ جہاں روایۃً ثابت ہوا ہے وہاں سکتہ کرنا چاہیے، اور یہ چار جگہ ہے جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے، آیات پر سکتہ کرے تو کچھ مضائقہ نہیں ہے۔

سکتات غیر مرویہ: اور عوام میں جو مشہور ہے کہ سورۂ فاتحہ میں سات جگہ سکتہ کرنا نہایت ضروری ہے، اگر سکتہ نہ کیا جائے تو شیطان کا نام ہو جائے گا۔ یہ سخت غلطی ہے، وہ سات جگہ یہ ہیں: ”دُلِلْ، هِرَبْ، كِيَوْ، كَنَعْ، كَنَسْ، تَعَلْ، بِعَلْ“ اگر ایسا ہی کسی کلمہ کا اول کسی کلمہ کا آخر ملا کر کلمات گڑھ لیے جائیں تو اور بھی بہت سے سکتے نکلیں گے، جیسا کہ ملا علی قاری شرح مقدمہ جزریہ میں تحریر فرماتے ہیں:

”وَمَا[3] اشْتَهَرَ عَلٰى لِسَانِ بَعْضِ الْجَهَلَةِ مِنَ الْقُرْاٰنِ فِيْ سُوْرَةِ الْفَاتِحَةِ لِلشَّيْطٰنِ كَذَا مِنَ الْاَسْمَآءِ فِيْ مِثْلِ هٰذِهِ التَّرَاكِيْبِ مِنَ الْبِنَآءِ فَخَطَأٌ فَاحِشٌ وَاِطْلَاقٌ قَبِيْحٌ ثُمَّ سَكْتُهُمْ عَلٰى نَحْوِ دَالِ الْحَمْدُ وَكَافُ اِيَّاكَ وَاَمْثَالِهَا غَلَطٌ صَرِيْحٌ“.

---

[1] یعنی وقف لازم ہو یا وقف مطلق ہو۔ ۱۲/ ابن ضیا۔

[2] غلطی سے تقطیع وسط کلمہ میں ہوتی ہے، اور سکتہ آخر کلمہ میں ہوتا ہے، باقی کیفیت ادا میں کچھ فرق نہیں، آواز دونوں میں بند ہو جاتی ہے، اور سانس دونوں میں جاری رہتی ہے، صرف اطلاق اور محل کا فرق ہے۔ ۱۲/ ابن ضیا۔

[3] ترجمہ: اور بعض جہلا کی زبان پر جو مشہور ہے کہ قرآن میں سورۂ فاتحہ کے اندر مثل ان تراکیب مذکورہ میں شیطان کے سات نام ہیں، پس یہ سخت غلطی اور اطلاق قبیح ہے، پھر ان کا "اَلْحَمْدُ" کی دال اور "اِیَّاکَ" کے کاف پر اور اس کے امثال میں سکتہ کرنا کھلی غلطی ہے۔ ۱۲

فائدہ: وقف تابع رسم ہوتا ہے: ''کَاَیِّنْ'' میں جو نون ساکن ہے یہ نون تنوین کا ہے اور مرسوم ہے، اس لفظ کے سوا مصحف عثمانی میں کہیں تنوین نہیں لکھی جاتی، اور قاعدہ سے یہاں تنوین وقف کی حالت میں حذف ہونا چاہیے، مگر چوں کہ وقف تابع رسم خط کے ہوتا ہے اور یہاں تنوین مرسوم ہے، اس وجہ سے وقف میں ثابت رہے گی۔

فائدہ: آخر کلمہ کا حرف علت جب غیر مرسوم ہو تو وقف میں بھی محذوف ہوگا، اور جو مرسوم ہوگا وہ وقف میں بھی ثابت ہوگا، ثابت فی الرسم کی مثال ''وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ، تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ، لَا تَسْقِی الْحَرْثَ'' اور محذوف فی الرسم کی مثال ''فَارْهَبُوْنَ، وَسَوْفَ یُؤْتِ اللّٰهِ'' سورۂ نساء میں ''نُنْجِ الْمُؤْمِنِیْنَ'' سورۂ یونس میں ''مَتَابِ، عِقَابِ'' سورۂ رعد میں، مگر سورۂ نمل میں جو ''فَمَآ اٰتٰنِ ىَ اللّٰهُ'' ہے، اس کی یاء باوجودیکہ غیر مرسوم ہے وقف میں جائز ہے اثبات اور حذف، اس واسطے کہ وصل میں حفص رحمۃ اللہ علیہ اس کو مفتوح پڑھتے ہیں۔ ''وَیَدْعُ الْاِنْسَانُ'' سورۂ اسراء میں ''وَیَمْحُ اللّٰهُ الْبَاطِلَ'' سورۂ شوریٰ میں ''یَدْعُ الدَّاعِ'' سورۂ قمر میں ''سَنَدْعُ الزَّبَانِیَةَ'' سورۂ علق میں ''اَیُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ'' سورۂ مومنون میں ''اَیُّهَ السَّاحِرُ'' سورۂ زخرف میں ''اَیُّهَ الثَّقَلَانِ'' سورۂ رحمٰن میں۔ البتہ اگر تماثل فی الرسم کی وجہ سے غیر مرسوم ہوگا، تو اس قسم کا محذوف وقف میں ثابت ہوگا، اس کی مثال ''یُحْیٖ، وَیَسْتَحْیٖ، وَاِنْ تَلْوٗا، وَلِتَسْتَوٗا، جَآءَ، مَآءَ، سَوَآءَ، تَرَآءَ[1] الْجَمْعٰنِ''.

فائدہ: ''لَا تَاْمَنَّا عَلٰی یُوْسُفَ'' اصل میں ''لَا تَاْمَنُنَا'' دو نون ہیں، اور پہلا نون مضموم ہے دوسرا مفتوح، اور ''لا'' نافیہ ہے، اس میں محض اظہار اور محض ادغام جائز نہیں، بلکہ ادغام کے ساتھ اشمام ضرور کرنا چاہیے، اور اظہار کی حالت میں روم ضروری ہے۔

[1] بحالتِ وقف ''تَرَاءَا'' ہوگا۔ ۱۲/ ابن ضیا۔

فائدہ: حروف مبدوء[1] اور موقوف کا خیال رکھنا چاہیے، کہ کامل طور سے ادا ہو، خاص کر جب ہمزہ یا عین موقوف کسی حرف ساکن کے بعد ہو، مثل "شَیْءٍ، سُوْءٍ، جُوْعٍ" اکثر خیال نہ کرنے سے ایسے موقع پر حرف بالکل نہیں ادا ہوتا یا ناقص ادا ہوتا ہے۔

فائدہ: نون خفیفہ قرآن شریف میں دو جگہ ہے، ایک "وَلَیَکُوْنًا مِّنَ الصّٰغِرِیْنَ" سورۂ یوسف میں، دوسرا "لَنَسْفَعًا" سورۂ اقرء میں، یہ نون وقف میں الف سے بدل جائے گا، اس وجہ سے کہ اس کی رسم الف کے ساتھ ہے۔

....

خاتمہ

پہلی فصل

جاننا چاہیے کہ قاری مقری کے واسطے چار علموں کا جاننا ضروری ہے۔

علم تجوید: ایک تو علم تجوید یعنی حروف کے مخارج اور اس کے صفات کا جاننا۔

علم اوقاف: دوسرا علم اوقاف ہے، یعنی اس بات کو جاننا کہ اس کلمہ پر کس طرح وقف کرنا چاہیے اور کس طرح نہ کرنا چاہیے، اور کہاں معنی کے اعتبار سے قبیح اور حسن ہے اور کہاں لازم اور غیر لازم ہے، تجوید کے اکثر مسائل بیان ہو چکے ہیں، اور اوقاف جو قبیل[2] ادا سے ہیں وہ بھی بیان کر دیئے گئے، اور جو قبیل معانی سے ہیں مختصر طور سے ان کے رموز کا بھی جو دال علی المعانی ہیں بیان کر دیا، اور بالتفصیل بیان کرنے سے کتاب طویل ہو جائے گی، اور مقصود اختصار ہے، اور

علم رسم عثمانی: تیسرے رسم عثمانی ہے، اس کا بھی جاننا نہایت ضروری

[1] یعنی جس کلمہ سے ابتدا کی جائے۔۱۲/ابن ضیا۔

[2] یعنی کیفیت وقف۔۱۲/ابن ضیا۔

ہے، یعنی کس کلمہ کو کہاں پر کس طرح لکھنا چاہیے، کیوں کہ کہیں تو رسم مطابق تلفظ کے ہے، اور کہیں غیر مطابق، اب اگر ایسے موقع پر جہاں مطابقت نہیں ہے، وہاں لفظ کو مطابق رسم کے تلفظ کیا تو بڑی بھاری غلطی ہو جائے گی، مثلاً ''رَحْمٰنُ'' بے الف کے لکھا جاتا ہے، اور ''بِاَیۡیدٍ'' سورۂ ذاریٰت میں، دو ''ی'' سے لکھا جاتا ہے، اور ''لَا اِلَی اللّٰہِ تُحْشَرُوْنَ، لَا اَوْضَعُوْا، لَا اَذْبَحَنَّهٗ، لَا اَنْتُمْ'' ان چار جگہوں میں لام تاکید کا ہے، اور لکھنے میں لام الف ہے، اب ان جگہوں میں مطابقت رسم سے لفظ مہمل اور مثبت منفی ہو جاتا ہے۔

رسم توقیفی کا حکم: اور یہ رسم توقیفی[1] اور سماعی ہے، اس کے خلاف لکھنا جائز نہیں۔

رسم عثمانی کے توقیفی ہونے پر تین دلائل:

دلیل اول: اس واسطے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں جس وقت قرآن شریف نازل ہوتا تھا اسی وقت لکھا جاتا تھا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس متفرق طور سے لکھا ہوا تھا۔

جمع اول: اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں اکٹھا ایک جگہ جمع کیا گیا۔

جمع ثانی: پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں نہایت ہی اہتمام اور اجماع صحابہ رضی اللہ عنہم سے متعدد قرآن شریف لکھوا کر جا بجا بھیجے گئے۔

دونوں جمع کے درمیان فرق: جمع اول اور جمع ثانی میں اتنا فرق ہے کہ پہلی دفع میں جمع غیر مرتب تھا اور جمع ثانی میں سورتوں کی ترتیب کا بھی لحاظ رکھا گیا ہے، اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کام کو حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے سپرد کیا، کیوں کہ یہ کاتب الوحی تھے اور عرضۂ[2] اخیرہ کے

---

[1] یعنی جس طرح جو رسم ثابت ہوتی ہوئی ہم تک پہنچی ہے۔ ۱۲/ ابن ضیا۔

[2] اس کے معنی دَور کے ہیں، یعنی حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ساتھ جو آخر مرتبہ قرآن پاک کا دور فرمایا تھا۔ ۱۲/ ابن ضیا محب الدین بن احمد عفی عنہ ناروی الہ آبادی، ۳/ ربیع الاول ۱۳۵۸ھ یوم جمعہ مبارک۔

مشاہد اور اسی عرضہ کے موافق جناب حضرت رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو قرآن سنایا تھا، اور باوجود سارے کلام مجید مع سبعہ احرف کے حافظ ہونے کے پھر بھی یہ احتیاط اور اہتمام تھا کہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حکم تھا کہ جو کچھ جس کے پاس قرآن شریف لکھا ہوا ہو وہ لا کر پیش کریں، اور کم از کم دو دو گواہ بھی ساتھ رکھتا ہو، کہ حضرت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے یہ لکھا گیا ہے اور جیسا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضرت رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے لکھا تھا ویسا ہی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے لکھوایا۔

دلیل ثانی: بلکہ بعض ائمہ اہل رسم اس کے قائل ہیں کہ یہ رسم عثمانی حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے امر اور املا سے ثابت ہوئی ہے، اس طرح پر یہ قرآن شریف باجماع صحابہ کرام اس رسم خاص پر غیر معرب غیر منقط لکھا گیا، اس کے بعد قرن ثانی میں آسانی کی غرض سے اعراب اور نقطے بھی حروف میں دیئے گئے، اب معلوم ہوا کہ یہ رسم توقیفی ہے۔

دلیل ثالث: ورنہ جس طرح ائمہ دین نے اعراب اور نقطے آسانی کے لیے دیئے ہیں، ایسا ہی رسم غیر مطابق کو مطابق کر دیتے، اور یہ بات بعید از قیاس ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ یا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور جمیع صحابہ اس غیر مطابق اور زوائد کو دیکھتے اور پھر اس کی اصلاح نہ فرماتے، خاص کر قرآن شریف میں اسی واسطے جمیع خلفا اور صحابہ اور تابعین اور تبع تابعین اور ائمہ اربع وغیرہم نے اس رسم کو تسلیم کیا ہے، اور اس کے خلاف کو خلاف کی جگہ جائز نہیں رکھا۔ اور بعض اہل کشف نے اس رسم خاص میں بڑے بڑے اسرار بیان کیے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ رسم بمنزلہ حروف مقطعات اور آیات متشابہات کے ہے ''وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ يَقُولُونَ

اٰمَنَّا بِہٖ کُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا''.

علم قراءت: اور چوتھے (۴) علم قراءت ہے، اور یہ وہ علم ہے جس سے اختلاف الفاظ وحی کے معلوم ہوتے ہیں، اور قراءت دو قسم ہے:

قراءت متواترہ: ایک (۱) تو وہ قراءت ہے جس کا پڑھنا صحیح ہے اور اس کی قرآنیت کا اعتقاد کرنا ضروری اور لازمی ہے، اور انکار اور استہزا گناہ اور کفر ہے، اور یہ وہ قراءت ہے جو قراءِ عشرہ سے بطریق تواتر اور شہرت ثابت ہوئی ہے۔

قراءات شاذہ: اور جو قراءت ان سے بطریق تواتر اور شہرت ثابت نہیں ہوئیں، یا ان کے ماسوا سے مروی ہیں، وہ سب شاذہ ہیں۔ اور شاذہ کا حکم یہ ہے کہ اس کا پڑھنا قرآنیت کے اعتقاد سے یا اس طرح کہ سامع کو قرآن شریف پڑھے جانے کا وہم ہو، حرام اور ناجائز ہے۔ آج کل یہ بلا بہت ہو رہی ہے کہ کوئی قراءت متواترہ پڑھے تو مسخراپن کرتے ہیں، اور ٹیڑھی بانکی قراءت سے تعبیر کرتے ہیں، اور بعض حفاظ قاری صاحب بننے کو تفسیر وغیرہ دیکھ کر اختلاف قراءت سے پڑھنے لگتے ہیں، اور یہ تمیز نہیں ہوتی کہ یہ کون سی قراءت ہے، آیا پڑھنا صحیح ہے یا نہیں، اور شاذہ ہے یا متواتر، دونوں حضرات کا حکم ماسبق سے معلوم ہو چکا کہ کس درجہ برا کرتے ہیں۔

دوسری فصل

الحان و انغام کا حکم: قرآن شریف کو الحان اور انغام کے ساتھ پڑھنے میں اختلاف ہے، بعض حرام، بعض مکروہ، بعض مباح، بعض مستحب کہتے ہیں۔ پھر اطلاق اور تقیید میں بھی اختلاف ہے، مگر قول محقق اور معتبر یہ ہے کہ اگر قواعد موسیقیہ کے لحاظ سے قواعد تجوید کے بگڑ جائیں، تب تو مکروہ یا حرام ہے، ورنہ مباح ہے یا مستحب، اور مطلقاً تحسین صوت سے پڑھنا مع رعایت قواعد تجوید کے مستحب اور مستحسن ہے،

جیسا کہ اہل عرب عموماً خوش آوازی اور بلا تکلف بلا رعایت قواعد موسیقیہ سے ذرہ بھر بھی واقف نہیں ہوتے اور نہایت ہی خوش آوازی سے پڑھتے ہیں، اور یہ خوش آوازی ان کی طبعی اور جبلّی ہے، اسی واسطے ہر ایک کا لہجہ الگ الگ اور ایک دوسرے سے ممتاز ہوتا ہے، ہر ایک اپنے لہجہ کو ہر وقت پڑھ سکتا ہے، بخلاف انغام کے کہ ان کے اوقات مقرر ہیں کہ دوسرے وقت میں نہیں بنتے، اور نہ اچھے معلوم ہوتے ہیں، یہاں سے معلوم ہو گیا کہ نغم اور لہجہ میں کیا فرق ہے۔

الحان کی تعریف: طرز طبعی کو لہجہ کہتے ہیں، بخلاف نغم کے، اب یہ بھی معلوم کرنا ضروری ہے کہ انغام کسے کہتے ہیں۔

انغام کی تعریف: وہ یہ ہے کہ تحسین صوت کے واسطے جو خاص قواعد مقرر کیے گئے ہیں ان کا لحاظ کر کے پڑھنا، یعنی کہیں گھٹانا کہیں بڑھانا، کہیں جلدی کرنا کہیں نہ کرنا، کہیں آواز کو پست کرنا کہیں بلند کرنا، کسی کلمہ کو سختی سے ادا کرنا کسی کو نرمی سے، کہیں رونے کی سی آواز نکالنا کہیں کچھ کہیں کچھ، جو جانتا ہو وہ بیان کرے۔

بلا لہجہ کے تحسین صوت ممکن نہیں ہے: البتہ جو بڑے بڑے اس فن کے ماہر ہیں، ان کے قول یہ سنے گئے ہیں کہ اس سے کوئی آواز خالی نہیں ہوتی، ضرور بالضرور کوئی نہ کوئی قاعدہ موسیقی کا پایا جائے گا۔

خصوصاً جب انسان ذوق شوق میں کوئی چیز پڑھے گا باوجودیکہ وہ کچھ بھی اس فن سے واقف نہ ہو مگر کوئی نہ کوئی نغم سرزد ہو گا، اس واسطے بعض محتاط لوگوں نے اس طرح پڑھنا شروع کیا ہے کہ تحسین صوت کا ذرہ بھر بھی نام نہ آئے، کیوں کہ تحسین صوت کو لازم ہے نغم کے اور اس سے احتیاط ہے، اور یہی بعض اہل احتیاط اہل عرب کو کہتے ہیں کہ وہ لوگ تو گا کے پڑھتے ہیں، حالاں کہ یہ تحسین کسی طرح ممنوع نہیں اور نہ اس سے مفر ہے۔

حاصل گفتگو: خلاصہ اور ماحصل ہمارا یہ ہے کہ قرآن شریف کو تجوید سے پڑھنا اور فی الجملہ خوش آوازی سے پڑھے اور قواعد موسیقیہ کا خیال نہ کرے کہ موافق ہے یا مخالف، اور صحت حروف اور معانی کا خیال کرے اور معنی اگر نہ جانتا ہو تو اتنا ہی خیال کافی ہے کہ مالک الملک عز وجل کے کلام کو پڑھ رہا ہوں، اور وہ سن رہا ہے، اور پڑھنے کے آداب[1] مشہور ہیں۔

---

[1] قرآن مجید کا ادب واحترام بہت ضروری ہے۔

مسئلہ (۱):۔ پڑھنے والے کو چاہیے کہ پاک وصاف ہو اور باوضو قبلہ رو ہو کر پاک جگہ بیٹھ کر پڑھے۔

مسئلہ (۲):۔ بلا وضو قرآن مجید کو نہ چھونا چاہیے۔

مسئلہ (۳):۔ قرآن مجید نہایت خشوع وخضوع کے ساتھ پڑھنا چاہیے۔

مسئلہ (۴):۔ قرآن مجید کو خوش آوازی سے پڑھنا چاہیے۔

مسئلہ (۵):۔ قرآن مجید کو اعوذ باللہ اور بسم اللہ پڑھ کر شروع کرنا چاہیے، لیکن سورۂ توبہ کے شروع میں بسم اللہ نہ پڑھنا چاہیے، چاہے شروع قراءت ہو یا درمیان قراءت ہو، اور اگر درمیان قراءت میں سورۂ توبہ شروع کریں تو کسی قسم کا استعاذہ نہ کرنا چاہیے۔

مسئلہ (۶):۔ قرآن مجید دیکھ کر پڑھنا زبانی پڑھنے سے افضل ہے۔

مسئلہ (۷):۔ قرآن مجید سننا تلاوت کرنے اور نفل پڑھنے سے افضل ہے۔

مسئلہ (۸):۔ قرآن مجید بلند آواز سے پڑھنا افضل ہے، جب کہ کسی نمازی یا مریض یا سوتے کو ایذا نہ پہنچے۔

مسئلہ (۹):۔ قرآن مجید کے پڑھنے میں صحت الفاظ اور قواعد تجوید کا بہت لحاظ رکھنا چاہیے، حتی الامکان اوقاف میں بھی غلطی نہ ہونا چاہیے۔

مسئلہ (۱۰):۔ جو شخص غلط قرآن مجید پڑھتا ہو تو سننے والے پر واجب ہے کہ بتائے بشرطیکہ بتانے کی وجہ سے کینہ وحسد پیدا نہ ہو۔

مسئلہ (۱۱):۔ تین دن سے کم میں قرآن مجید ختم کرنا خلاف اولیٰ ہے۔

مسئلہ (۱۲):۔ قرآن مجید جب ختم ہو تو تین بار سورۂ اخلاص پڑھنا بہتر ہے۔

مسئلہ (۱۳):۔ قرآن مجید ختم کر کے دوبارہ شروع کرتے ہوئے مفلحون تک پڑھنا افضل ہے۔

مسئلہ (۱۴):۔ قرآن مجید ختم ہونے پر دعا مانگنا چاہیے کہ اس وقت دعا قبول ہوتی ہے۔

مسئلہ (۱۵):۔ تلاوت کرتے وقت کسی شخص معظم دینی مثلاً بادشاہ اسلام یا عالم دین یا پیر یا استاذ، باپ آجائے تو تلاوت کرنے والا اس کی تعظیم کے لیے کھڑا ہو سکتا ہے۔

مسئلہ (۱۶):۔ غسل خانہ اور موضع نجاست میں قرآن مجید پڑھنا جائز نہیں۔۱۲۔

ابن ضیاء عفی عنہ ناروی مدرس مدرسہ سبحانیہ الہ آباد۔